بسم الله الرحمن الرحیم

شعور اتحاد

سال اول شمارہ اول، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۷ء

پیشکش: مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی

نگران اعلیٰ: آیۃ اللہ محمد علی تسخیری

مدیر مسؤل: علی اصغر اوحدی

علمی گروہ کی زیر نگرانی

چیف ایڈیٹر : سید احتشام عباس زیدی

سہ ماہی ''شعور اتحاد'' مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو مستحکم بنانے نیز عالم اسلام کو فقہی، حقوقی، کلامی، فلسفی، تاریخی و... میدانوں میں درپیش مشکلات اور دشواریوں کے حل کے لئے نئی راہیں کھولتا ہے۔

یہ مجلّہ مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے متعلق لکھے جانے والے علمی مقالوں کا استقبال کرتا ہے۔

یہ مجلّہ مقالات کی ایڈیٹنگ اور تلخیص میں آزاد ہوگا۔

مجلّہ کے مطالب نقل کئے جاسکتے ہیں لیکن حوالہ ضروری ہے۔

.....

ایڈریس: تہران، خیابان آیۃ اللہ طالقانی، شمارہ ۳۵۷ ''مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی''

معاونت فرہنگی و پژوہشی

ٹیلی فون: ۱۳۔۸۸۳۲۱۴۱۱۔۸۸۸۲۲۵۳۲۔ای میل andisheh@taqhrib.org

فہرست

شعور اتحاد ..... اداریہ ۴

❁ فکر و شعور

مغرب اور اسلامی بیداری ..... محمد علی تسخیری ۱۱

مذاہب کلامی میں توحید ..... عزالدین رضانژاد ۴۳

شریعت صلح و رحمت ..... سید مصطفیٰ میر محمدی ۷۱

اسلامی اتحاد ایک ثقافتی اور سیاسی اتحاد ..... محمد مہدی آصفی ۱۰۱

❁ اتحاد کے علمبر دار

شرف الدین اتحاد کے علمبر دار مجاہد ..... ڈاکٹر مرضیہ بہبہانی ۱۱۹

شہید قطب ''شاہد بیدار'' ۱۳۱

❁ عالم اسلام کا تعارف

اسلام ملیشیا میں ..... عبدالمجید ناصر داودی ۱۵۵

❁ کتابوں کا تعارف

جدید اشاعتیں ۱۶۷

❁ خلاصہ مضامین (انگریزی)

Peace and forgiving religion ۱۹۱

Monotheism and Islamic religions ۱۹۳

West and Islamic Uprising ۱۹۶

شعور اتحاد

اداریہ

دنیا نظریات کا گہوارہ ہے جب سے انسان کا شعور بیدار ہوا ہے، اس زمین پر یکے بعد دیگرے نظریات سر ابھارتے رہے اور انسانی معاشرہ پر اپنا مثبت یا منفی اثر ڈالتے رہے۔ انسانی ذہنوں نے جب بھی اپنی فلاح و ترقی کے لئے نظریات ڈھالے اگر چہ بقول خود وہ اس کی علمی ترقی کے غماز رہے لیکن ذرا غور کرنے پر ہر نظریہ علم کے پیمانہ پر کھرا اترنے کے بجائے اپنی ابتداء ہی میں مرموز اغراض و مقاصد کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ نظر آیا اور ہم نے دیکھا کہ مشرق ہو یا مغرب آج کا عہد ہو یا ماضی کے دھندلکے ہر ایک نظریہ دوسرے سے ٹکرایا ہے اور اس تصادم میں کتنے بے گناہوں کا خون زمین پر بہا اور کتنے مظلوموں کے گلے ثواب سمجھ کر کاٹ ڈالے گئے، اپنے مقصد کے حصول کے لئے انسان اپنے جیسی کتنی لاشوں کو روندتا ہوا گزر گیا اور کتنی قومیں کار خیر سمجھ کر صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔

وجہ یہ تھی کہ یہ نظریات خالص علمی پیمانوں پر وجود میں نہیں آئے تھے۔ درحقیقت جب ایک نظریہ ٹوٹتا ہے تو اس سے بہتر نظریہ کا وجود میں آنا علمی معیاروں کی غمازی کرتا ہے جبھی اس میدان میں نہ فوج کی ضرورت ہوتی ہے نہ طبل و علم کی بلکہ قلم یہ میدان سر کرتے ہیں۔

نظریات جب اغراض و مقاصد کے تحت دنیا میں وجود میں آتے ہیں تو خون کی ندیاں بہتی

ہیں لیکن جب نظریات علم وشعور کی فضا میں پروان چڑھتے ہیں تو نسلیں زندگی پاتی ہیں۔اسی لئے خالق علم وشعور نے (خاص اغراض ومقاصد) کے ہاتھوں پلنے والے تمام نظریات کو''لا الٰہ'' کہہ کر انسانیت کو بہت سے آلام ومصائب سے نجات عطا کی اور''الاّ اللہ'' کہہ کر ایک ایسا لافانی اور حیات بخش نظریہ پیش کیا جس میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کو مسالمت آمیز خوش گوار زندگی کی راہ دکھائی گئی ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے دنیائے کفر وشرک کے درمیان نکلنے والا'' **قولوا لا الٰہ الاّ اللّٰہ تفلحوا** '' لاالٰہ اللہ کہو نجات پاجاؤ گے، کا نعرہ اسی بات کو (واضح) کرتا ہے۔

اتحاد اور اسلام

قرآن کریم نہ صرف مسلمانوں کو مقدر دیکھنا چاہتا ہے بلکہ وہ تمام الٰہی ادیان کو ایک نقطہ پر یہ کہہ کر جمع کرتا ہے (**قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم**) (آل عمران/۶۴)

درحقیقت اسلام کی فطرت اور اس کا مزاج ہی اتحاد ہے۔کلمۂ توحید تمام مسلمانوں کو ایک خدا کی طرف بلاتا ہے ایک گھر کے آگے جھکاتا ہے اور ایک کتاب قرآن کریم کو ان کی ہدایت کا سرچشمہ قرار دیتا ہے ﴿**ان ھذہ امتکم امة واحدة و انا ربکم فاعبدون**﴾ (نساء/۹۲)''یہ تمھاری امت ایک اور واحد امت ہے اور میں تمھارا پروردگار ہوں، بس میری عبادت کرو''

خداوند عالم اتحاد کی راہ کو اپنی راہ مستقیم قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿**وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ...**﴾ (انعام/۱۵۳)''یہ میرا راستہ سیدھا راستہ ہے بس اسی پر چلو اور دوسری راہوں کو اختیار نہ کرو کہ بھٹک جاؤ گے''۔

خدا نے تمام مسلمانوں کو اتحاد کی محکم دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿**واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا ۞ اذ کنتم اعداء فألف بین قلوبکم**﴾ (آل عمران/۱۰۳) کبھی تم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے تم میں الفت ومحبت پیدا کردی...۔

اسلام نے اپنے ہر پیغام کے ذریعہ مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی ہے توحید سے لے کر معاد تک

تمام اصول میں اور نماز سے لے کر امر و نہی تک سب میں اتحاد کی روح رواں دواں نظر آتی ہے'' **ید اللہ مع الجماعۃ**'' کا جملہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

ہمارے مشترکہ دشمن دو محاذوں پر ہم سے نبرد آزما ہیں؛ ایک اندرونی محاذ پر اختلاف پیدا کر کے اور ایک بیرونی محاذ پر باہم متحد ہو کر ہمیں سب سے زیادہ اندرونی محاذ پر توجہ دینا چاہئے کیوں کہ قرآن یہ اعلان کر چکا ہے کہ ﴿**الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم و اخشون**﴾ (مائدہ ۳/) ''آج کفار تمھارے دین سے مایوس ہو گئے پس اب ان سے خوفزدہ نہ رہو بلکہ مجھ سے ڈرتے رہو'' یعنی آپس میں اختلاف کو ہوا نہ دو۔

درحقیقت اب بھی عالم اسلام میں علم کا فقدان ہے اور جہالت بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے جس کا براہ راست دشمن فائدہ اٹھاتا ہے اور ہم آپس میں خون کی ہولیاں کھیلتے ہیں۔ اسلامی امت میں اختلافات کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اہل علم کمر بستہ ہوں اور امت میں علمی فضا قائم کریں۔ علم کا ماحول، اتحاد کا شعور پیدا کرے گا، اختلافات کو میدان جنگ میں لے جانے کے بجائے زبان اور قلم کے ذریعہ حل کرلے گا ہمیں یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ اسلامی امت میں وہی سچا مسلمان اور پیرو اسلام و قرآن ہے جس میں اتحاد کا شعور پایا جاتا ہے۔

اسلامی جمہوریہ کا کارنامہ

خدا کا شکر ہے کہ اسلامی امت میں جس قدر علمی بیداری بڑھتی جا رہی ہے اختلافات کم ہو رہے ہیں اور اتحاد کا شعور بیدار ہوتا جا رہا ہے اب تک جو مسلمان ایک دوسرے کے دشمن تھے اب انھیں اپنا مشترکہ دشمن نظر آنے لگا ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد تو یہ حالات اور واضح ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کے بیدار مغز علماء نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے پہلے ہی دن سے عالم اسلام کو متحد کرنے کا جو عزم کیا ہے اس سے دشمنان اسلام ناراض بھی ہیں اور خوفزدہ بھی گزشتہ صدی میں حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردی اور جامعہ ازہر کے شیخ شلتوت کی کوششوں سے تقریب بین المذاہب الاسلامی کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا تھا جو دیرپا نہ رہا چند برس پہلے اسلامی انقلاب کے رہبر آیۃ اللہ خامنہ ای کی مساعی جمیلہ سے ''عالمی مجلس برای تقریب مذاہب اسلامی'' کے نام سے مسلمانوں میں اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لئے ایک بار پھر اس ادارہ کو زندہ کیا گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ادارہ اپنے اعلیٰ مقاصد میں ضرور

کامیاب ہوگا۔

اس باوقار ادارہ سے عربی فارسی اور انگریزی میں مفید کتابیں اور مختلف رسالے نکلتے رہے ہیں، اب ادارہ کی کاوش سے اردو کا مجلّہ بنام ''شعور اتحاد'' فصل نامہ کی شکل میں برآمد ہو رہا ہے۔ یہ فصل نامہ اپنے مقاصد و عزائم کے اعتبار سے کیسا ہے ہمیں اپنی آراء سے ضرور نوازیں۔

حج، جلوہ گاہ اتحاد

اسلام کا عبادی نظام بھی خداوند عالم نے انسان کی مادی و معنوی ارتقاء اور اس کی فردی و اجتماعی، سماجی، سیاسی و اقتصادی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا ہے اور اس میں انسانی فلاح و بہبود، ترقی و کمال اور اسلام کی شوکت و عظمت کا پورے طور سے لحاظ کیا گیا ہے، نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکواۃ، خمس ہو یا جہاد تمام عبادتوں میں یہی روح کارفرما ہے۔

حج خصوصیت سے اپنے اندر یہ تمام جامعتیں رکھتا ہے۔ خدا کی بندگی اور اسلامی سماج کی شوکت و عظمت کے جو مناظر حج میں نمایاں نظر آتے ہیں وہ کہیں اور نہیں ملتے۔ مسلمان صدیوں سے پوری شان و احترام کے ساتھ ہر سال مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور یہ عظیم عبادت بجالاتے ہیں افسوس یہ ہے کہ بہت سے مسلمان طواف و سعی اور رمی و قربانی جیسے ارکان کو خشک و بے روح عبادت کی شکل میں بجالاتے ہیں۔ لیکن اگر مسلمان ذرا غور سے اس عظیم عبادت پر نگاہ ڈالیں تو انھیں یہ حقیقت صاف نظر آئے گی کہ دنیا کے کونے کونے سے مختلف قوموں اور ملتوں کے مسلمان ایک اذان ابراہیم [1] پر لبیک کہتے ہوئے کعبہ کے گرد کیوں اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ سب کی جبینیں ایک ساتھ جھکتی ہیں اور ایک ہی وقت میں پورا عالم اسلام ایک جیسے اعمال کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا یہ امت واحدہ کا جلوہ نہیں ہے۔

ایک ہی وقت میں ایک ساتھ نمازوں کی ادائیگی طواف اور سعی عرفات میں وقوف مزدلفہ کی شب بسری منی میں رمی و قربانی.... اس ماحول میں کوئی فرقہ عمل کے اعتبار سے جدا نظر نہیں آتا بلکہ یہ عظیم اجتماع ایک باشکوہ امت کا اجتماع نظر آتا ہے خداوند عالم درحقیقت اس عبادت کے ذریعہ اسی متحد اجتماع کا تصور ذہنوں میں بیدار کرنا چاہتا ہے۔ یہی اس عبادت کی روح ہے جو اتحاد کا شعور پیدا کرتی ہے۔ ایسے اتحاد کا شعور جو عالم اسلام کے اندر قوت کا احساس پیدا کرے عالم اسلام کے مشکلات کے حل کا عزم جگائے اور دشمنان اسلام و قرآن کو مرعوب کرے۔

.....

۱۔ حج/۲۷ ''و اذن فی انساس بالحج...''

فکر و شعور

مغرب اور اسلامی بیداری

۞ محمد علی تسخیری

۞ ترجمہ: سید غلام حسین عابدی

مقدمہ

عالم اسلام اور مغرب میں تعلقات کی ابتداء، آغاز اسلام سے ہی ہوئی، سورۂ روم کی ابتدائی آیتوں کو دیکھتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ مسلمین ـــــ اس زمانے کے ارتباطی ذرائع کی سست رفتاری کے باوجود ـــــ پوری توجہ کے ساتھ دنیا کے حوادث پر نظر رکھتے تھے۔ اس طرف مشرکین بھی ہر چیز پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روم پر ایرانیوں کا غلبہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں تھا کہ صرف ان کی خوشی اور غم کو بیان کر کے گزر جایا جائے۔ کسی کی کامیابی کفر یا ایمان کی کامیابی کے مترادف تھی۔ اس کارزار کی وسعت جغرافیائی حدود سے کہیں زیادہ تھی، اسی وجہ سے بعض روایتوں میں اس معرکہ کو فیصلہ کن بتایا گیا ہے،[۲] اس کے ساتھ ساتھ وحی الٰہی کی سچائی بھی آشکار ہوگئی جس کی پیشین گوئی کے مطابق رومی ـــــ جو اہل کتاب ہونے کی بناء پر گروہ مؤمنین میں شمار ہوتے تھے ـــــ مشرک ایرانیوں سے مغلوب ہونے کے بعد کچھ سالوں میں ان پر غالب آجائیں گے اور پروردگار عالم کی منشاء سے ایسا ہی

ہوا لیکن نہ رومیوں کو اور نہ ایرانیوں کو، کسی کو اطلاع نہ تھی کہ صحرائے عرب کی کوکھ سے کس مولود نے جنم لیا اور پروان چڑھ رہا ہے جو ساری دنیا کو گمراہی اور تباہی سے نجات دلانے آیا ہے، ہاں! اس کے بارے میں پہلے سے کچھ سنا تو تھا لیکن کبھی اس پر سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا، یہاں تک کہ صحرا کے اس نو مولود کے بلوغ اور رشد کی خبریں ان کے کانوں سے ٹکرانے لگیں اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خطوط ان کو ملنے لگے جو انھیں اسلام لانے اور خداوند عالم کے سامنے تسلیم ہونے کی دعوت دے رہے تھے۔

شاہ ایران خسرو انوشیروان کے نام آنحضرت ﷺ کے خط میں آیا ہے: ''تجھے خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں میں تمام لوگوں پر اس کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں تا کہ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤں اور کافروں پر اتمام حجت کردوں۔ اسلام لے آؤ تا کہ امان پاؤ، اگر نافرمانی کی تو آتش پرستوں کی لعنتیں تم پر پڑیں''۔ اس خط کے اور بھی مضمون موجود ہیں۔[۳]

دوسرے بھی خطوط انوشیروان کے عاملوں کے نام بھیجے گئے۔[۴]

قیصر روم کے نام خط میں آیا ہے: ''تجھے اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آ، امان پالے۔ خداوند عالم تجھے دوگنا اجر دے گا، اور اگر نافرمانی کی تو ''ارسیوں'' کے گناہ تیرے سر آئیں گے۔ اے اہل کتاب! آؤ اس بات پر جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہیں، ایک ساتھ ہو جائیں کہ سوائے خدائے واحد کے کسی کی پرستش نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خداوند عالم کے علاوہ اپنی خدائی میں نہ لے اور اگر یہ منظور نہیں تو جان لو ہم مسلمان ہیں۔[۵]

دنیا کی بڑی طاقت، اس نئی طاقت کے مقابلہ میں شکست کھا گئی، ابتداء میں اسلام اتنی تیزی سے اور اتنی وسعت میں پھیلا کہ دونوں بڑی طاقتیں حیرت زدہ رہ گئیں یعنی ایک طرف ایرانی شہنشاہیت کا زوال ہو گیا تو دوسری طرف روم بھی یورپ کے اندرونی حصہ تک پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا شام، مصر اور مرکش کو ہزار سال حکومت کے بعد جو اسکندر مقدونی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا، آخر کار چھوڑنا پڑا۔ اس پیشرفت نے بہت سے بڑے بڑے مورخوں کو حیرت زدہ کر دیا جن میں ''ٹوراستروب''،

''گوستاولوبون''، ''توین بی''، ''تھامس آرنالڈ'' کے اسامی قابل ذکر ہیں۔

حالانکہ ایرانیوں اور رومیوں نے نہایت بربریت کے ساتھ مقابلہ کیا[۶] لیکن اسلام نے مسلمان عربوں میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ اب ان کا مقابلہ ناممکن تھا، ہر میدان میں اسلام کی فتح ہوتی رہی اور اسلام کا اثر مغرب میں گہرا ہوتا گیا۔ ہر چند یورپیوں نے اس تاثیر کے انکار میں بڑی کوششیں کی ہیں اور روم کی حدود پر اسلام کے غلبہ کو نہیں بلکہ جرمن اقوام کے غلبہ کو یورپ کی تاریخ کا اہم موڑ قرار دیا ہے۔

استاد انور الجندی کہتے ہیں:

جرمن اقوام کے حملہ اور روم کی حدود پر ان کی فتح کے بعد بھی روم کی حکومت باقی اور رومی تہذیب جاری تھی صرف اتنا ہی فرق پڑا کہ شہر روم کی مرکزیت ختم ہو کے بیزانس میں منتقل ہوگئی اور جنگیں صرف چند مادی مسائل تک محدود تھیں لیکن اسلام کی طوفانی ہواؤں نے اور سرزمین روم میں مسلمان مجاہدوں کے معرکوں نے وہاں کے ہر آثار اور تمام نشانیوں کو مٹا ڈالا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خس و خاشاک کو ہوائیں ادھر ادھر بکھیر رہی ہوں، ایک نئی حکومت قائم ہوئی، نئی تہذیب نے جنم لیا جس نے یورپ کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ اگر اسلام کا ظہور نہ ہوتا تو روم کی حکومت اسی طرح باقی ہوتی اور یورپ کو نئے انداز میں نکھارنے والے یہ انقلابات پھر سر نہ اٹھاتے![۷] بعض مغربی مورخین ''پواتیہ'' کی جنگ کو جس میں کمانڈر شارل مارتل نے ۷۳۲ء (۱۱۴ ہجری) میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم کو روک دیا تھا، بڑے فخر سے یاد کرتے ہیں اور اسے یورپ کی کامیابی قرار دیتے ہیں لیکن بہت سے مورخین جیسے ''کلود فایر'' اسے قرون وسطیٰ کے بدترین المیہ سے تعبیر کرتے ہیں جس کی وجہ سے یورپ آٹھ صدی پیچھے چلا گیا۔[۸]

اس درمیان صلیبی جنگیں دو صدی تک (۱۲۹۵ سے ۱۰۹۹ تک) جاری رہیں اور اپنے ساتھ ہر خشک و تر جلاتی رہیں حالانکہ یورپ کو ان جنگوں سے بڑے فائدے بھی پہنچے ہیں اور انقلاب رسانس کے آغاز کا سبب بھی یہی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آج کے مغربی قلم کاروں اور مصنفین

میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو اسلام کو پندرہویں صدی کے انقلاب رنیسانس کے بیرونی اسباب میں سے قرار دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ مدعی ہیں کہ آج مغرب کو پندرہویں صدی ہجری کے اسلامی بیداری کے بیرونی اسباب میں سے قرار دینا چاہئے۔ ۹

جس زمانے میں مغرب قرون وسطیٰ کے تاریک دور (پانچویں صدی سے پندرہویں صدی تک) سے گزر رہا تھا، مشرق کی سرزمین اسلام کے نور سے روشن تھی، مشرق اور یہاں تک کہ یورپ کی بھی اندلس جیسی سرزمینوں میں نور اسلام متجلی تھا۔

۱۰۹۹ء میں کلیسا کے اشاروں پر صلیبی جنگیں شروع ہوگئیں اور ایسے ایسے المیہ واقع ہوئے کہ بشریت کی جبینیں شرم سے جھک گئیں جس سے ان کی اسلام دشمنی اور نفرت وکینہ کی شدت کے ساتھ اصل میں اسلامی تہذیب اور مکتب فکر کے شدید خوف واضطراب کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس بناء پر محترمہ شیرین ہنٹر کا بیان کہ ۱۳۵۹ء عیسوی میں ترکوں کے ہاتھوں گالیپولی کی شکست کے بعد مغرب میں یہ خوف بیٹھ گیا، سراسر نادرست ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ خوف واضطراب صلیبی جنگوں سے پہلے بھی پایا جاتا تھا۔

۹۵-۹۲ ہجری (۷۱۴-۷۱۱ عیسوی) میں سرزمین اندلس میں اسلام کے آنے سے اسلام کا سورج نہ صرف اندلس میں بلکہ سارے یورپ میں چمکنے لگا جو کہ آٹھ صدیوں تک جاری رہا (یعنی ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کی شکست اور انقلاب رسانس کی ابتداء تک) اس دور میں حالانکہ عالم اسلام سے اندلس جدا ہوگیا لیکن اسی دور میں افریقہ کی دو عظیم حکومتیں ''مالی'' اور ''کادا'' عالم اسلام کا حصہ بن گئیں اور اس طرح حکومتیں عالم اسلام اور مغرب کے درمیان رد و بدل ہوتی رہیں۔ استاد سمیر سلیمان کے بیان کے مطابق مغرب کی دوسری یلغار ۱۷۹۲ء میں اسکندریہ پر نپولین کے حملے سے شروع ہوئی ۱۰ اور پھر پے در پے بہت سی یلغاریں واقع ہوئیں جس میں اہم یہ ہیں:

۱۸۰۰ء میں انڈونیشیا پر ہالنڈیوں کا قبضہ۔

۱۸۲۰ء میں الجزائر پر فرانسیسیوں کا قبضہ۔

انیسویں صدی کی آخر میں قفقاز اور ترکستان پر روس کا قبضہ۔

۱۸۷۵ء میں ہندوستان پر برطانیہ کا قبضہ۔

۱۸۶۹ء میں سوئز کینل کا افتتاح۔

۱۸۸۲ء میں مصر پر برطانیہ کا قبضہ۔

۱۸۹۲ء میں سوڈان پر برطانیہ کا قبضہ۔

۱۹۱۷ء میں بیت المقدس میں متحدہ افواج کا پڑاؤ اور عثمانی حکومت کے زوال کا آغاز۔

۱۹۲۴ء میں عثمانی حکومت کا خاتمہ۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیلی حکومت کی بنیاد۔

ہر طرف سے اور وسیع پیمانے پر ان چڑھائیوں نے عالم اسلام کو شکست اور مایوسی کا شکار بنا دیا لیکن کچھ عرصہ بعد قوت کے ساتھ ردعمل کا سلسلہ شروع ہو گیا جس میں سے خاص خاص یہ ہیں:

۱۹۳۰ء میں الجزائر میں انقلاب کا آغاز ہوا۔

۱۸۳۹ء - ۱۸۹۷ء میں سید جمال الدین، محمد عبدہ اور الکواکبی کی سربراہی میں اصلاحی تحریکیں شروع ہوئیں۔

۱۸۳۱ء میں لیبیا میں سنوسیوں کی تحریک کا آغاز ہوا۔

۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں مسلمانوں کی تحریک آزادی کا آغاز ہوا۔

۱۸۸۲ء میں مصر میں انقلاب عرابی کا آغاز ہوا۔

۱۸۹۵ء میں ایران میں آئینی انقلاب ۔

۱۸۸۹ء میں سوڈان میں انقلاب۔

۱۹۱۹ء میں مصر میں انقلاب۔

۱۹۲۰ء میں عراق میں انقلاب۔ ''العشرین''

۱۹۲۴ء میں شام اور سوڈان میں مختلف انقلاب نیز خطابیہ اور بستیوں کے انقلابات۔

۱۹۳۰ میں لیبیا میں عمر مختار کا انقلاب۔

مشرقی ہندوستان میں اسلامی انقلاب، ترکستان اور قفقاز میں شیخ شامل کا انقلاب، نیز عمانیوں اور سواحیلیوں کا انقلاب....

بیسویں صدی کے آغاز سے ایران میں حملہ آوروں اور ان کے اہل کاروں کے خلاف مختلف تحریکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جیسے جنوب میں تحریک تنگستانی اور شمال میں تحریک جنگل۔

۱۹۳۵ میں فلسطین میں بھی انقلاب کا آغاز ہو گیا۔

ان تحریکوں کی باوجود جو اہداف و مقاصد اور طریقۂ کار کے لحاظ سے بہت مختلف تھیں ۱۹۲۴ میں کچھ حوادث کے بناء پر جسے عظیم المیہ کہنا چاہیے، عثمانی حکومت کا خاتمہ کر کے، مغرب کو موقع مل گیا کہ دنیا سے اسلام کے سیاسی وجود کو مٹا دے۔

اسی کے ساتھ ساتھ مغرب کی ثقافتی یلغار بھی تیز ہو گئی اور اسلام پر صلیبیوں کی طرف سے نئے حملے ہونے لگے اور آج بھی یہ معاندانہ سلسلہ جاری ہے اور ممکن ہے بہت سی سازشیں ابھی پوشیدہ ہوں۔

۱۹۰۸ میں لارڈ کرومر کی کتاب نے بہت سی سازشوں کا پردہ فاش کر دیا۔ اس میں صاف لکھا ہے: اسلام مر چکا ہے یا موت کے دہانے پر ہے جسے اصلاحی تحریکوں کے ذریعہ زندہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ موت اس کی ذات اور جوہر میں یعنی عورت کی پسماندگی اور اسلامی شریعت کی فرسودگی میں پوشیدہ ہے لہٰذا عالم اسلام کو ترقی یافتہ معاشروں کے ساتھ ساتھ چلنے کے لئے مدرنیزم اسلام کو قبول کرنا ہوگا۔[۱۱] محترمہ شیرین ہانتر کے بقول یہ نظریہ جدید ماہرین مشرقیات کا نظریہ ہے ان کا دعوی ہے کہ خود دین اسلام ایسا ہے کہ ماڈرنزم قبول نہیں کر سکتا نتیجہ میں مغرب کا ساتھ نہیں دے سکتا وہ مسلمانوں کو ثقافتی بنیاد پرست قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: مسلمان لوگ ایک خاص طریقے سے سوچتے اور عمل کرتے ہیں، اس بناء پر مغرب، اسلام کا مقابلہ صرف ایک ہی طریقہ سے کر سکتا ہے اور وہ اسلام کو اندر سے کھوکھلا کر کے نیست و نابود کر دینا ہے۔ اسی لئے وہ مغربی حکومتوں کو صلاح و مشورہ

دیتے ہیں کہ ان طاقتوں کی حمایت کریں جو اسلام اور مسلمین سے نبرد آزما ہیں تا کہ اسلام کا شیرازہ بکھر جائے یا مسلمان بالکل تسلیم ہو جائیں۔ ۱۲؎

عالم اسلام میں فکری ہزیمت کا آغاز محمد عبدہ کے ان صلح پسندانہ اظہار خیالات سے ہوا جو انھوں نے لارڈ کروم کے جواب میں دیئے۔۱۳؎ ان کے بیانات کو ان کے سکیولریزم (لامذہبی) حلقہ منجملہ لطفی السید، سعد زغلو، طہ حسین اور اسماعیل مظہر نے بہت سراہا اور نتیجہ میں دھیرے دھیرے کروم کے نظریہ سے نزدیک ہو گئے۔

عالم اسلام کے دیگر گوشوں میں بھی اس نظریہ کے حامی افراد پائے جاتے تھے جنھوں نے اس نظریہ کو پیش کیا، اس کے بعد بیسویں صدی کے درمیانی حصہ میں نیشنلیزم اور مارکسیزم بھی عالم اسلام میں سرگرم ہو گیا اور ان نظریات کو مزید بڑھنے کا موقع مل گیا۔

اسلامی بیداری کے سلسلہ میں مغربیوں کے یہ معاندانہ اور توزانہ نظریوں کے علاوہ مغرب میں کچھ دوسرے بھی نظریات پائے جاتے ہیں جسے محترمہ شیرین ہانتر (جدید تیسری دنیا) کے نام سے یاد کرتی ہیں، اس نظریہ کے مطابق جس کی محترمہ ہنٹر بھی تائید کرتی ہیں، وہ چیز جو عالم اسلام پر حاکم ہے اسلامی اقدار اور مصالح و منافع دونوں ہیں، نتیجہ میں عالم اسلام اور مغربی دنیا کے بہت سے مشترک مصالح و منافع کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اقدار، غربی ثقافت کے غیر انسانی پہلوؤں جیسے جنسی بے راہ روی دوسری قوموں کا استحصال، اخلاق سے دوری، دوسری ثقافتوں کو مٹانے کی کوشش، استعمار کے نئے نئے طریقے، متضاد باتوں، زبان پر کچھ عمل میں کچھ... اور اس قسم کے دیگر امور کے مخالف ہے، ورنہ ان پہلوؤں کو چھوڑ کر بہت سے مشترک پہلو بھی ہیں جن کے بارے میں آپس میں گفتگو کی جا سکتی ہے اس کے علاوہ منافع و مصالح کے سلسلہ میں اسلامی اقدار نہ صرف مخالف نہیں ہے بلکہ انسانی عظیم منافع کے تحقق اور اسے صحیح مفہوم بخشنے میں معاون بھی ہے۔

بہر حال مغرب ہمیشہ مختلف حربوں سے، فوجی حملے، ثقافتی یلغار، اپنے اہل کاروں یا مغربی چمک دھمک کے فریفتہ لوگوں کے ذریعہ عالم اسلام میں اپنے رسوخ کو جما کر اس کوشش میں رہا ہے کہ امت اسلامیہ کو مرعوب اور مقہور بنا دے مغربی استعمار، حکومت عثمانیہ پر کاری ضرب لگانے کے بعد اسی کوشش میں لگ گیا کہ قدرت اسلام کا مقابلہ کر کے خود اسلام پر ضرب لگائے جب مغربی استعمار عالم اسلام کے تمام خطوں پر براہ راست حاکمیت حاصل کرنے سے عاجز ہو گیا تو اسلامی ممالک کو ظاہری آزادی دے کر مغرب نواز حکومتوں کو وہاں مسلط کر کے مہار اپنے ہاتھوں میں لے لی، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے عالم اسلام میں نیشنلیزم اور قومی، لسانی افکار کی ترویج سے اسے ٹکڑوں میں بانٹ کے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بنائی گئیں حالانکہ یہ حکومتیں استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے بنائی گئیں لیکن کچھ ہی عرصہ بعد ثابت ہو گیا کہ اس سے بھی مغرب کے مقاصد پورے نہیں ہوتے کیوں کہ دوسری جنگ عظیم کے کچھ ہی عرصہ بعد اسلامی عالمی فکر اور اسلامی عالمی تنظیمیں تیزی سے پھیلنے لگیں، خاص کر مسجد اقصی کے جلائے جانے سے عالم اسلام میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی جس نے مغرب کی کٹھپتلی حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور افغان مجاہدین کی روس جیسی بڑی طاقت پر کامیابی اور آخر کار دنیا کی سب سے بڑی الحادی طاقت (سویت یونین) کا خاتمہ اور اس کے ہاتھوں اسیر اسلامی قوموں کی رہائی کے بعد بہت شدت سے عالمی سطح پر اسلام کی آفاقی فکر سامنے آئی اور مغرب کو مجبور کر دیا کہ اپنی سیاستوں میں نظر ثانی کرے۔

عالمی سطح پر اسلامی بیداری نے مغرب کو حیرت میں ڈال دیا، اس بناء پر مغرب نے اپنے طریقۂ کار اور اپنے زاویہ نظر سے اس کا تجزیہ وتحلیل کیا تا کہ اس کے مثبت اور منفی نقاط کو پہچان کر اس کا مقابلہ کر سکے۔ ''اس بناء پر دیکھنا یہ ہوگا کہ اس اسلامی بیداری کے بنیادی محرکات کیا ہیں اور مغرب دشمنی کے عناصر اس میں کیا ہیں تا کہ درست آشنائی کے ساتھ اس سے مقابلہ کے لئے مناسب سیاست کا انتخاب کیا جا سکے'' [۱۴] اس مقالہ میں ہماری کوشش یہی ہے کہ اسلامی بیداری کے سلسلہ میں مغربی سیاست کے کچھ گوشے اجاگر کر سکیں۔

کتاب ''اسلام اور مغرب کا مستقبل''، ایک تجزیہ

❁ مصنف: شیرین ہانتر

اس کتاب سے آشنائی کے لئے اس کے مضامین اور موضوعات پر ایک سرسری نگاہ کرتے ہیں:

۱)۔ مصنف اپنی کتاب کو ایک انگریز افسر کے ناول سے شروع کرتی ہیں جس میں اس نے ۱۹۱۶ء میں نظریہ پیش کیا تھا کہ اگر اسلامی انقلاب کا شعلہ بھڑک گیا تو پہلی عالمی جنگ کا رخ بدل جائے گا، ناول نگار واضح طور پر کہتا ہے کہ مشرق ایک الٰہی اشارے کے انتظار میں ہے۔

اس کے بعد محترمہ شیرین ہانتر بیان کرتی ہیں کہ مذکورہ افسر کراوثمر۔ پچھتر سال بعد امریکہ اور اسلامی بنیاد پرستی کے درمیان جنگ کو ایک خطرہ قرار دیتا ہے۔

۲)۔ شیرین ہانتر کے کہنے کے مطابق یورپ کو ۱۳۵۹ میں عثمانی ترکوں کے ہاتھوں ''گالیپولی'' کی شکست کے بعد اسلام سے خطرہ محسوس ہوا اور یہ خطرہ امام خمینیؒ کے ظہور سے اور بڑھ گیا ہے۔

۳)۔ مصنفہ مغرب میں موجود دین اور سکیولریزم کے تنازعہ کے بارے میں رقم طراز ہیں: تہذیب وثقافت اور عقائد وافکار میں جدائی، بے مطلب کی جدائی ہے۔

۴)۔ ان کا کہنا ہے: عالم اسلام، خود اسلام کی خصوصیتوں کے باعث مغرب کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔

۵)۔ مصنفہ اس تنازعہ کو مزید بڑھاوا دینے میں تیل کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتی ہیں کہ ہندوستان جیسی بنیاد پرستی جس میں تیل کا کردار شامل نہیں ہے، مغرب کے لئے اتنا پریشان کن نہیں بن سکتی۔

۶)۔ وہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ممکن نہیں کہ اسلام نازیسم اور سوشلیزم کی طرح شکست سے

دوچار ہو سکے۔

۷)۔ وہ فردی اسلام میں جو اچھا ہے اور اجتماعی اسلام میں جو برا ہے، فرق کے قائل ہیں اور مدعی ہیں کہ تمام خطرہ جہادی اسلام سے ہے۔

۸)۔ وہ اظہار خیال کرتی ہیں: تمام تر کوششیں اسلامی معاشرہ میں سکولرزیم کی ترویج کرنے (دین کو سیاست سے جدا کرنے) کے لئے صرف کر دینی چاہئیں تا کہ ترقی کی راہ ہموار ہو سکے۔

۹)۔ وہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ایک درمیانی حل یہی ہے کہ مغرب، زندگی میں دین کے کردار کو اور عالم اسلام، سکولرزم (دین اور سیاست میں جدائی) کو تسلیم کر لے۔

۱۰)۔ پھر کہتی ہیں: اس تنازعہ کی بنیادی وجہ طاقت کا توازن ہے، مسلمان اپنے آپ کو مغرب کے قبضہ قدرت میں نہیں دیکھ سکتا اور مغرب دوسروں کو اپنے سے برتر نہیں مان سکتا۔

۱۱)۔ شیرین ہنٹر معاشرہ میں عقائد و افکار کے کردار کو جو ایک طاقت کے طور پر حکومت کے کام آسکتے ہیں، بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں: ہمیشہ بڑی قربانیاں ایک بنیادی عقائد و افکار کے تحت ہوتی ہیں، اس بناء پر اگر مغربی اقدار اپنے منافع کے حصول میں استعمال نہ ہوں تو کوئی خاص اہمیت کے حامل نہ ہوں گے۔

۱۲)۔ مصنفہ کے مطابق: اسلام کا سیاسی نظام، قرآن اور سنت میں کوئی خاص واضح نہیں ہے، وہ دین اور سیاست میں وحدت اور مسیحیت و یہودیت میں امت کے مفہوم کو نشانہ بناتے ہوئے کوشش کرتی ہیں کہ عالم اسلام کی طرف سے سکولرزم (دین و سیاست میں جدائی) کو تسلیم کئے جانے کی صورت میں یک گونہ قربت ان میں ایجاد کر سکیں حالانکہ یہ بھی مانتی ہیں کہ الٰہی نظام سکولاریزم کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ اسلام اور مغرب میں جنگ ناگزیر ہے۔

۱۳)۔ وہ کہتی ہیں کہ اسلام میں بین الاقوامی سطح پر تعلقات و روابط کے لئے کوئی جامع اور عالمی نظریہ نہیں پایا جاتا پھر بھی انھیں شدید تنقید کا نشانہ بناتی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا نقطۂ نظر سطحی ہے! وہ وضاحت کرتی ہیں کہ اسلام چوں کہ ساری دنیا پر حکومت کرنا چاہتا ہے، اس بناء پر توسیع پسند طلب

اور دوسروں کا رقیب ہے، اس بناء پر سیمئل ہنٹگٹن کے نظریہ پر شدید نکتہ چینی کرتی ہیں جو کہتا ہے: مسلمان برابری اور مفاہمت کی منطق سے نا آشنا ہیں۔

۱۴)۔ مصنفہ اسی طرح جہاد کے حکم کو نشانہ بناتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہ حکم ''لا اکراہ فی الدین'' کے منافی ہے، اس کے باوجود وہ مانتی ہیں کہ یہ حکم ایک دفاعی اصول میں سے ہے اور پھر مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ اسلام کے عالمی ہدف (پوری دنیا پر حکمرانی) کو فی الحال بھول جائیں۔

۱۵)۔ وہ اسلام کے سلسلہ میں مغربی نظریہ اور ان کے نظریات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جب تک مسلمان ایک عام معاشرہ کے انداز میں رہیں تو مغرب کو بھی چاہئے کہ ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ رکھے۔

۱۶)۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کے دشمنوں سے مقابلہ کی مہارتوں کا ذکر کرنے کے بعد صدر اسلام کے مسلمانوں پر الزام لگاتی ہیں کہ ان کے مقاصد۔ جیسا کہ صلیبی جنگوں میں ہم نے دیکھا خالص دینی نہیں تھے۔

۱۷)۔ وہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ آج مسلمانوں میں تفرقہ اور انتشار کی وجہ سے دار السلام کا مفہوم، سیاسی ہونے کے بجائے صرف دینی مفہوم میں بدل گیا ہے اسی لئے آج وحدت اسلام کی کسی بھی دعوت کو کوئی سننے والا نہیں ہے۔

۱۸)۔ وہ کہتی ہیں کہ مسلمانوں کے خلافِ انسانیت کے اعمال کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۹)۔ شیرین ہنٹر، احیائے اسلام کی تحریکوں کو تہذیبوں کے تصادم کی اصل وجہ بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہ تحریکیں بھی خود اسلام کی خصوصیتوں کا نتیجہ ہیں۔

۲۰)۔ وہ دین اور سیاست میں وحدت اور امت اسلامی کی متحدہ حکومت کے تصور کو دو افسانے قرار دیتے ہوئی دعویٰ کرتی ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد سے امت اسلامی کا وجود ہی نہیں رہا، اس کے باوجود اس بات پر زور دیتی ہیں کہ اس دو تصور نے اسلامی بیداری میں ان دو تصورون یعنی فکری عنصر اور مصلحتی عناصر جیسے اقوام کی تقسیم، اسلامی عناصر کی ہزیمت اور بنیاد پرستوں کی قدرت

حاصل کرنے کی مسلسل کوششوں نے دیگر اسباب کی طرح اہم کردار ادا کیا ہے۔

۲۱)۔ مصنفہ اپنے فرضیہ کے مطابق نظریہ دیتی ہیں کہ اسلام اور مغرب میں جنگ لازمی نہیں ہے، کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق (جدید ماہرین مشرقیات کے دعویٰ کے برخلاف) یہ تنازعہ صرف مکتب فکر اور اقدار کے عنصر پر منحصر نہیں ہے وہ لوگ اس مدعی کے تحت عالم اسلام کا صفایا چاہتے چنانچہ کرامر جیسے لوگ صدر جمی کارٹر پر شدید نکتہ چینی کرتے ہیں کہ کیوں انھوں نے ایران میں علماء کو پنپنے کا موقع دیا، برلمونز بھی انھیں نکتہ چینوں میں ہے لیکن اس نظریہ کے مقابلہ میں دوسرے گروہ بھی ہیں جنھیں مصنفہ ''جدید تیسری دنیا'' سے تعبیر کرتی ہیں جس میں بورگات جیسے لوگ شامل ہیں، ان کے کہنے کے مطابق بین الاقوامی روابط کو برقرار رکھنے میں قدریں اور مصلحت دونوں عنصر مؤثر ہیں، نتیجہ میں ایک گونہ مصلحت پسندی سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں، محترمہ شیرین ہنٹر بھی اسی نظریہ کی تائید کرتی ہیں۔

۲۲)۔ شیرین ہنٹر کے نزدیک اسلامی بیداری کے اسباب یہ ہیں:

اٹھارہویں صدی میں امت کے اتحاد میں دراڑ اور تعادل ومساوات پر استوار روابط کے بجائے فوقیت پسند تعلقات کا حاکم ہوجانا جس کے نتیجہ میں مخالفتوں کا بازار گرم ہوگیا (اسلام طلب تحریکوں کا آغاز چاہے خشک اور شدت پسندانہ صورت میں جیسے سلفیوں کی تحریک کی شکل میں اور چاہے اعتدال پسندانہ صورت میں جیسے اقبال، سرسید احمد خان اور مرجانی جیسوں کے مکاتب فکر)

۲۳)۔ مصنفہ، سید جمال الدین اسد آبادی اور محمد عبدہ کے بارے میں تجزیہ کرتے ہوئے کہ یہ لوگ مصلح تھے یا منافق، جمال الدین اسد آبادی کے سخت جواب کو نشانہ بنا کر جو انھوں نے ''رینان'' کے اسلام کے خلاف، حملوں کے جواب میں دیا تھا، دونوں پر سابقہ تہذیب کو خراب کرنے کا الزام لگایا ہے اور زیادہ تر ان کے منفی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں، البتہ خود کہتی ہیں کہ اسد آبادی نے اس سلسلہ میں ''تقیہ'' سے کام لیا ہے۔

۲۴)۔ شیرین ہنٹر رقم طراز ہیں: انیسویں صدی کے نصف کے بعد سے سیاسی نقطہ نظر سے

رہنماؤں نے جدیدیت اور ماڈرنزم کی طرف رخ کیا جیسے ایران میں امیر کبیر، ترکی میں عثمانی، مصر میں محمد علی پاشا، نیز ۱۹۰۵ء میں ایران کے شرطہ انقلاب اور پھر ترکی میں جدیدیت کے انقلاب۔ وہ کہتی ہیں کہ اس زمانہ میں مسلم اصلاح پسند ایک طرف لا مذہب لوگوں سے تو دوسری طرف بنیاد پرستوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔

۲۵)۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۷۰ء تک لا مذہب لوگ مکمل طور پر حاوی رہے اور لا مذہبیت مسلمانوں پر تھوپ دی گئی جس کے نتیجہ میں ثقافتی امور میں انتشار اور متحدہ محاذ میں خلفشار پیدا ہو گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ کبھی قومی محاذ اسلام پسندوں کے ساتھ بائیں محاذ کے خلاف متحد ہو گئے۔ تو کبھی اسلام پسند بائیں محاذ کے ساتھ بنیاد پرستوں کے خلاف متحد ہو گئے اور کبھی مغربی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ اور عربی مدارس کے طالب علموں میں تنازعہ شدت اختیار کر گیا۔ اس خلفشار اور گہما گہمی میں ماڈرنزم بھی اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور ہمیشہ دین اسلام پر پابندی سے عمل ہی راہ حل کے طور پر معتبر مانا گیا۔

۲۶)۔ وہ کہتی ہیں کہ ایران کے اسلامی انقلاب نے عوام میں تحرک پیدا کرنے کے لئے دینی امور کو استعمال کیا لیکن عوام کی خواہشوں کو پورا کرنے میں ناکام رہا، اور یہیں سے وہ ایک اہم حقیقت یعنی دین اور سیاست میں جدائی سے روبرو ہو گیا۔

مصنفہ ڈاکٹر سروش کے نظریہ نسبیت کو بیان کرتے ہوئے اسے سرسید احمد کے نظریہ کے مشابہ بتاتے ہوئے کہتی ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں اصلاح ہو سکتی ہے۔

۲۷)۔ وہ اسلامی بیداری کے بیرونی اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے حکومت اسرائیل کی بنیاد، ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے ہاتھوں عربوں کی شکست، تیل کے ذخیرے، افغانستان میں روس کی شکست اور ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کو بیان کرتی ہیں اور آخری سبب یعنی ایران میں اسلامی انقلاب کے بارے میں کہتی ہیں کہ ۱۹۸۸ء میں جنگ بندی سے ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔

۲۸)۔ اس کے بعد وہ کہتی ہیں کہ مذکورہ باتوں کی بنا پر مغرب کو اسلامی بیداری سے دشمنی ہے کیونکہ خود مغرب کی سیاست ایسی ہے کہ اسلامی بیداری کو مغرب سے دشمنی ہو ورنہ یہ تنازعہ اسلام کی مغرب

مخالف خصوصیتوں کی وجہ نہیں ہے۔

اس بنا پر وہ ''برنارڈ لویس'' اور ''دانیال بابیس'' جیسے جدید ماہر مشرقیات پر بھی نکتہ چینی کرتی ہیں جو اسلامی بیداری کی مغرب دشمنی کو خوف اور حسد کا نتیجہ سمجھتے ہیں، وہ کہتی ہیں: حالانکہ اس بات میں کچھ سچائی ہے لیکن بالکل اس طرح ہے جیسے مغرب کو چین اور جاپان سے حسد ہے، حالانکہ دوسروں کا نظریہ ہے کہ مغرب کے ساتھ اسلامی تنازعہ، خود مغرب کی سیاستوں کا نتیجہ ہے اور اس بات پر لامذہب لوگ بھی مسلمانوں کے ساتھ متفق ہیں۔

۲۹)۔ مصنفہ کتاب کے صفحہ ۱۴۹ پر رقم طراز ہیں کہ ان مباحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ اسلامی بیداری مختلف زمان و مکان کی وسعتوں پر پھیلی ہوئی عملی اسلام کے تکامل کا وہ حتمی مرحلہ ہے جو معاشرتی، معاشی، سیاسی، ثقافتی پیشرفت کے ساتھ ساتھ قہری طور پر غیر اسلامی دنیا کے مقابلہ میں ان کی طاقتوں اور مکاتب فکر سے استفادہ کرتے ہوئے نمودار ہوا ہے۔

دوسرا مرحلہ اسلامی معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ (سیکولرزم) کی ترویج اور اسلامی تعلیمات کو مغربی افکار سے ہماہنگ کرنا ہے۔

۳۰)۔ انھوں نے آخر میں اسلامی ممالک کی خارجہ سیاست کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملکوں کے نظم و نسق میں صرف اسلام ہی دخیل نہیں ہے بلکہ مندرجہ ذیل امور ہیں۔

الف۔ اسلامی ممالک کی سیاستوں میں اسلام کا اثر پہلے کی طرح کم ہی رہے گا اور مسلمانوں کی ایک متحدہ صورت عملی طور سے بعید ہے۔

ب۔ ان ممالک کے مغرب کے ساتھ تعلقات کبھی کشیدہ تو کبھی دوستانہ رہیں گے۔

ج۔ جب تک اسلامی ممالک اور غرب کے اختلاف میں دوسرے اسباب جیسے غرب کے مقابلہ میں طاقت کے توازن کا منفی رویہ، کارفرما رہے گا عالم اسلام میں سکولاریسم کا نفاذ بھی تمام مشکلوں کو حل نہیں کر سکے گا البتہ بہت حد تک مؤثر ضرور ہوگا۔

د۔ غرب کی جانب سے اسلامی مسائل کے سلسلے میں سمجھوتہ کے ساتھ ساتھ عالم اسلام اور

غرب کے تعلقات میں مثبت تعادل پیدا ہوگا۔ گویا ہر ملک کے مادی منافع اور مصالح بھی ان تعلقات پر اپنا اثر چھوڑیں گے۔

ھ۔ عالم اسلام میں اپنے رسوخ کو پھیلانے میں غربی ممالک کی آپسی رقابت پہلے کی طرح جاری رہے گی۔

و۔ غرب کے مقابلہ میں ایک نئی طاقت بن کر ابھرنے کا احتمال مسلمانوں کے مسائل کو مزید الجھا دے گا جب کہ اس احتمال کے نہ ہونے کی صورت میں شاید ان کے ساتھ نرم، آسان اور مزید ڈھیل کے ساتھ موقف اختیار کئے جائیں۔

تنقیدی نظر

کتاب کے مضمون پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد مندرجہ ذیل نکات کا ذکر مناسب ہوگا:

پہلا نکتہ

ہم ہر چیز سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض تلخ حقائق کے اقرار میں مصنفہ کی ہمت اور شجاعت کی داد دی جائے، من جملہ:

الف۔ اس بات کا اقرار کہ فوجی برتری یا اس طرح کے ہتکنڈوں سے جیسے کہ نازیسم اور سوشلیزم شکست کھا گئے، اسلام کو شکست دینا ممکن نہیں!

ب۔ یہ کہ عقائد و نظریات کو معاشرتی زندگی سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ معاشرتی مسائل کو (چاہے غیر محسوس طریقہ سے) ایک خاص مکتب فکر کی بنیاد پر ہونا چاہئے ورنہ وہ بے مقصد اور بے بنیاد رہ جائے گا۔

ج۔ غرب ان اقدار پر جن کا وہ مدعی ہے جیسے ڈیموکریسی اور انسانی حقوق ...اگر اس کے منافع کے حصول میں کام نہ آئے تو کوئی خاص توجہ نہیں دیتا۔

د۔ لامذہبیت چاہے وہ مسیحیت اور یہودیت کے طرز پر ہی کیوں نہ ہو کبھی دینی نظام کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

ھ۔ وہ لوگ جو اسلام کے نقطہ نظر کو سطحی سمجھتے ہیں، خود سطحیت کا شکار ہیں۔

و۔ ہنٹنگٹن کے نظریہ کی دھجیاں اڑانا جو وہ کہتا ہے کہ اسلام برابری اور مفاہمت کی منطق سے ناآشنا ہے۔

ز۔ حقوق بشر کے سلسلہ میں مسلمانوں کے غلط رویہ کا تعلق اسلام کی تعلیمات سے نہیں ہے۔

ح۔ اس بات کا اقرار کہ لامذہبیت (لائیزم) عالم اسلام پر تھوپی گئی ہے۔

ط۔ یہ کہ مغرب اپنی سیاست میں حسادت اور کینہ پروری جیسے پست اخلاقی جذبوں سے کام لیتا ہے۔

دوسرا نکتہ

مصنفہ خیال کرتی ہیں کہ اگر یہ مسائل اسلامی اقدار کے موقفوں کی بنیاد پر ہیں تو مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن اگر مصلحتی موقفوں کی بنیاد پر ہیں تو درمیانی حل تلاش کیا جاسکتا ہے لیکن اس سلسلہ میں بتادینا ضروری ہوگا کہ حقیقت یہ ہے:

۱)۔ اسلام اپنے اغراض و مقاصد سے مربوط مصلحتوں کو بھی اپنا اقدار قرار دیتا ہے اور کبھی کبھی ان اقدار کو بہت سے احکام پر فوقیت بھی حاصل ہے۔

۲)۔ اسلام اپنے اندر بہت سے ایسے لچکدار عناصر رکھتا ہے جس سے امت اپنے کو زمان و مکان کے ساتھ منطبق اور خود کو دشواریوں سے نکال سکتی ہے من جملہ احکام اولیہ، احکام ثانویہ (اضطراری) اور احکام حکومتی کے مختلف مراتب جو اپنی اپنی خصوصیتوں اور معینہ شرائط میں لچک کی بنا پر حاکم اسلامی کو حالات کے مطابق فیصلہ لینے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ تو ممکن نہیں کہ مغرب کے وحشیانہ رویہ کو (جسے فوکویاما تاریخ کے تکامل کی انتہا سمجھتے ہیں) اصل مسلم مان لیں اور

پھر مسالمت کے نام پر اسلام سے کہیں کہ اس سے اپنے آپ کو ملاتے رہو! مثال کے طور پر فلسطینیوں سے کہا جائے کہ اپنی سرزمین، اپنی شرافت یہاں تک کہ قابض صہیونیوں کے مقابلہ میں صلح و مسالمت برقرار کرنے کی خاطر اپنی مقاومت کو بھی چھوڑ دیں!

یہ طرز فکر ہم نے مغربی قلم کار اور ان کے پیروکاروں میں بہت دیکھا ہے کہ وہ مغرب کو ترقی اور مدرنیزم کا ملاک اور معیار سمجھتے ہیں اور مدعی ہیں کہ عالم اسلام بھی اگر ترقی چاہتا ہے تو اسے اپنے کو مغرب جیسا بنانا ہوگا۔

جب کہ صحیح اور درست راہ یہ ہے کہ پہلے مستقبل بشریت کے خیر خواہ بیٹھیں اور ترقی یافتہ اصولوں کا تجزیہ کر کے معین کریں پھر دوسروں کو جن پر تسلط نہیں رکھتے سمجھائیں کہ حق کو مان لیں، یہی وہ انسانی طریقہ ہے جسے منطق بھی اور اصلاح کے سلسلہ میں قرآن بھی تائید کرتا ہے۔

تیسرا نکتہ

اگر ہم مغرب کے سربراہوں کے بیانات، تجزیے اور ان کے اظہار خیال پر جو انھوں نے ایک زمانہ سے مختلف سطح پر دیئے ہیں نظر ڈالیں تو یہی ملے گا کہ ان کے تمام ذکر و فکر اور ہم و غم اور تمام تر کوششیں اسلام کو ایسے تمدن کی صورت میں پیش کرنے پر مرکوز رہی ہیں جو اپنے خاص اقدار کی بنا پر مغربی قدروں کے مکمل خلاف ہے جس میں عنصر بقاء بھی نیز مسلسل پھیلنے کی صلاحیت اور دوسرے کے استحصال کو روکنے کی طاقت بھی ہے کہ جس کے نتیجہ میں ہر مغربی کے سرمشق پر پانی پھر جائے گا اور یورپ کے مسیحی گوروں کے تمدن کی برتری خاک میں مل جائے گی۔

یہ اندیشہ اور خلش برابر مغرب کے سیاستمداروں جیسے چرچیل، دوگل برلسکونی (اطالوی وزیر اعظم) جارج بوش اور ان جیسوں کے خیالات، تاریخ دانوں جیسے توین بی، فلسفیوں جیسے ویلیم جیمز اور قلمکاروں جیسے ہنٹنگٹن، فوکویاما اور بریان کی زبانی کثرت سے بیان ہوا ہے ہم ان کثیر موارد میں سے صرف کچھ کا ذکر کرتے ہیں:

- امریکہ کے سابق صدر ''ریچارڈ نکس'' کا ایران کی توصیف میں ''ثابت قدم جزیرہ'' کہنا۔
- اطالوی وزیراعظم ''برسکونی'' کا عیسائی تمدن کو اسلامی تمدن پر فوقیت دینا۔
- جارج ڈبلیو بوش کے زمانے میں امریکی سپریم کورٹ کے جج کا نہایت جسارت کے ساتھ، مسیحیت اور اسلام کے خدا میں موازنہ کرتے ہوئے بیان دینا کہ مسیحیت کا خدا اپنے کو بشریت کے لئے قربان کر دیتا ہے جب کہ اسلام کا خدا اپنی بارگاہ میں بشریت سے ان کے بچوں کی قربانی مانگتا ہے۔
- بعض یورپی ممالک جیسے فرانس کا حجاب سے اسلامی بیداری کی علامت کے طور پر خوفزدہ ہونا۔
- امریکی صدر جارج بوش کا وہ بیان جس میں اس نے دہشت گردی کے خلاف حالیہ جنگ کو صلیبی جنگ کا نام دیا تھا جب کہ خود بھی اس کی رسوائیت سے گھبرا کے پھر کبھی دوبارہ اسے زبان پر نہیں لایا۔
- اس بارے میں مسلسل اظہار خیال کہ اسلام مشرق وسطیٰ میں سویا ہوا ایک اژدھا ہے جسے بیدار نہیں ہونے دینا چاہئے (من جملہ یہ بات جنرل دوگل کے وصیت نامہ یا یورپ کے مختلف اخبار جیسے لندن ٹایمز کے مورخہ ۱۹۸۷ء۔۴۔۲۹ کے شمارے میں درج کالموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ریچارڈ پرل پنٹیا گون کے مشیر جسے ''ڈیلی ٹلگراف'' اخبار نے دینی دانشور کا خطاب دیا ہے اور جارج بوش کی تقریروں کے محرک ڈیوڈ زام اپنی مشترکہ کتاب ''دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کامیابی کے اسباب'' میں رقم طراز ہیں کہ اسلامی بنیاد پرستی دہشت گردی کا سب سے بڑا سہارا ہے اور ہمیں اسے نشانہ بنانا چاہئے۔

غربی مطالعات اور تجربے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک گروہ، مغرب کے حامیوں کو شخصیت بنا کر باقاعدہ ان کی پشت پناہی کر رہا ہے من جملہ امریکہ میں ''راند'' نامی ایک تحقیقاتی ادارہ ہے جو مغربی اقدار کے خلاف بنیاد پرستوں کو مٹانے میں مصروف ہے (الامارات کا اخبار الخلیج

شمارہ ۱۷۹)

اسی اندیشہ کے باعث گزشتہ صدی کے اسّی اور نوّے کی دہائیوں میں شدت کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں امریکہ کی نئی پالیسی پیش کی گئی یہاں تک کہ کہا جا سکتا ہے کہ غرب میں گزشتہ صدی کی (اگر نہ کہا جائے کہ عرصہ دراز کی) اکثر پالیسیاں اور بڑے اقدام اسی اندیشہ اور خدشہ کے تحت کئے گئے ہیں۔ نیز گلوبلایزیشین Globlazation کا یہ نعرہ بھی، جو عالمی سطح پر کثرت سے وحدت کی طرف بڑھتے ہوئے فطری رجحان کو مغربی رنگ دینا اور دنیا کے جملہ تمام سیاسی، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی امور کو امریکی بنانے کی کوشش بھی اسی اندیشے اور خدشے کی بنا پر ہے۔

اسی خدشہ اور اندیشہ کے تحت جسے مذکورہ مصنفہ شیرین ہنٹر حسد کے نام سے یاد کرتی ہیں۔ مغرب نے طرح طرح کی پسماندگی، تفرقہ، انتشار اور لامذہبیت کو عالم اسلام پر تھوپ دیا۔

پسماندگی، عالم اسلام کے لئے غرب کا تحفہ ہے چاہے وہ علمی میدان میں ہو یا معاشی یا فوجی یا ثقافتی یا معاشرتی میدان میں ہو واضح سی بات ہے کہ مغرب، بشریت کو تہذیب سکھانے کا اپنا دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے دوسروں کو محدود ترقی کا موقع دیتا ہے۔

البتہ ہم اس سلسلہ میں مسلمانوں کی کوتاہیوں پر پردہ پوشی نہیں کرنا چاہتے لیکن جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ مغرب نے عالم اسلام کو پسماندہ رکھنے اور ترقی کے فاصلوں کو بڑھانے میں ہر طرح کے حربے اپنائے ہیں تفرقہ اور انتشار کے سلسلہ میں بھی، مغرب نے کبھی براہ راست تو کبھی غربی افکار سے متاثر اہلکاروں کے ذریعہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ مذکورہ مصنفہ کی تحریروں میں عالم اسلام میں اتحاد سے خدشہ کی خلش کا صاف اندازہ لگایا جا سکتا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب کے آخر میں رقم طراز ہیں کہ اسلامی اتحاد اور امت اسلامیہ کا متحدہ وجود، مستقبل میں بہت بعید نظر آتا ہے اور عالمی اسلام کا وجود ایک احساس ہے۔

لیکن گزشتہ صدی کے دوسرے حصہ میں عالم اسلام کے بین الاقوامی اداروں کی جانب سے اتحاد مسلمین کی دعوتوں نے مغرب کی تمام پیشنگوئیوں کو کھوکھلا ثابت کر دیا پھر پینترے بدل بدل کے

بہت سی سازشیں رچی گئیں من جملہ اتحاد کے اصلی مفہوم کو کھوکھلا کر کے توڑ نا مروڑ نا اور اتحاد کے سلسلہ میں مسلمانوں کے شدید جذبات کی تسکین کے لئے اتحاد کو صرف ظاہری اور جذباتی حد تک محدود رکھنا، غریبوں کا وتیرہ بن گیا ہے۔

یہ تفرقہ اندازی مختلف حربوں سے کی جارہی ہیں کبھی قومی، کبھی جغرافیائی، کبھی لسانی، تو کبھی مختلف طرز فکر کی بنیادوں پر امت اسلامیہ کو بانٹا جارہا ہے۔ شیرین ہنٹر، حکومت عثمانیہ کے انہدام، قومیت پرستی کے تنگ نظرانہ افکار کی ترویج اور اپنی ہی بنائی حکومتوں کے آپسی اختلاف کو ہوا دینے میں مغرب کے کردار کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ عالم اسلام کی معاشرتی ساخت کا بکھرنا اسلامی بیداری اور اسلام کی طرف پلٹنے کی تحریک کے اہم سباب میں سے ہے۔

لامذہبیت بھی کہا جاسکتا ہے کہ بہت بری بلا ہے جس میں ہمارا عالم اسلام گرفتار ہے اور ایک مدت سے عالم اسلام کے ایک بہت بڑے خطہ پر حاوی ہے، غرب مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعہ دین اور سیاست میں جدائی کی ترغیب اور ترویج کر رہا ہے چنانچہ خود مصنفہ بھی تسلیم کرتی ہیں ۱۹۲۰ء۔ ۱۹۷۰ء میں یہ افکار عالم اسلام پر تھوپے گئے حالانکہ اپنے مقاصد کو پورا نہ کر سکے، البتہ یہ شکست قہری تھی کیوں کہ عالم اسلام، اسلامی تعلیمات سے دور ہونے کے باوجود بھی اپنے وجود کی گہرائی میں اسلامی جذبات اور احساسات سے مالا مال ہے، اس حقیقت کے ساتھ ایک اور حقیقت کا اضافہ کرنا چاہئے وہ یہ کہ اسلام دین حیات ہے، اسے ثقافتی، معاشرتی اور سیاسی میدانوں سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

یہ وہ حقیقت ہے جس کا مغربی مصنفین اور سیاستداں ہمیشہ انکار کرنا چاہتے ہیں اور امریکہ کے وزیر خارجہ کالن پاول کے مورخہ ۱۴ر نومبر ۲۰۰۳ء کے بیان میں صاف آیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ عالم اسلام میں بھی دین اور سیاست میں جدائی کے حامی اس کی ترویج کر رہے ہیں یہاں تک کہ اسے علمی اور فلسفی رنگ دینے میں بھی مصروف ہیں۔

مذکورہ کتاب کی مصنفہ شیرین ہنٹر بھی مغرب اور عالم اسلام کے تنازعہ کے سلسلہ میں معجزاتی راہ حل کے طور پر ان ہی افکار کو پیش کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تمام تر کوششیں عالم اسلام میں سیکولرزم کی ترویج کے لئے صرف کر دینی چاہئیں، ان کے خیال میں کتاب اور سنت میں اسلام کا سیاسی نظام، واضح نہیں ہے لہٰذا اسلامی معاشرہ (لامذہبیت، دین اور سیاست میں جدائی) کو تسلیم کر ہی لے گا، اس طرح سے مغرب کے ساتھ جنگ حتمی صورت اختیار نہ کرے گی اور یہ کہ اسلام میں بین الاقوامی روابط کے سلسلہ میں کوئی جامع اور عالمی نظریہ نہیں پایا جاتا اور حکم جہاد بھی دین میں زور زبردستی نہ ہونے کے مسلم قانون کے خلاف ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ عالمی سطح پر اسلام کو نافذ کرنے کی فکر کو چھوڑ دیں اور اسلامی بیداری کی تحریک کو جو لائیسم (لامذہبیت، دین اور سیاست میں جدائی) کے خلاف ہے خود مسلمان ٹھکرا دیں کیوں کہ اس طرح تہذیبوں میں تصادم کا سبب بنے گا لہٰذا عالم اسلام کو چاہئے کہ اپنے اقدار کو اپنے مصالح اور مفادات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے اور دوسری بات یہ کہ دین اور سیاست میں جدائی ایسی حقیقت ہے جس سے ایران کا اسلامی انقلاب بھی روبرو ہوا اور اسے تسلیم کرنا پڑا۔

دوسری طرف جدیدیت نوازوں کے اصلاح پسندانہ نظریہ ''نسبیت'' کے تحت اسلام میں اصلاح خاص کر (لامذہبیت، دین وسیاست میں جدائی) ممکن ہے، وہ لوگ اسلام اور مغرب میں میل جول کو اسلام کے سب سے بڑے معاشرہ میں (لامذہبیت، دین اور سیاست میں جدائی) کے تحقق میں دیکھ رہے ہیں چنانچہ مذکورہ دو حقیقتوں کے پیش نظر یعنی ایک طرف عالم اسلام کی گہرائیوں میں شدید اسلامی رجحانات تو دوسری طرف اسلام کا زندگی کے مختلف پہلوؤں سے جدا نہ ہونا ایسی حقیقتیں ہیں جس کی وجہ سے عالم اسلام میں دین وسیاست کو جدا کرنے کے سلسلہ میں تمام کوششیں باطل اور ناکام رہ جائیں گی۔

اے کاش! اس قسم کے جدید مفکرین اس بات کو کہ دینی نظام کسی بھی حالت میں (لامذہبیت، دین وسیاست میں جدائی) کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا، سنجیدگی سے غور کرتے اور پھر اظہار

خیال کرتے تو ہمارے نقطۂ نظر کو بہتر سمجھ پاتے مگر یہ کہ اسلام کے خصوصیات اور اس کے نظام کو سلب کر لیا جائے اور اسے صرف اخلاقی سطحی تعلیمات سمجھا جائے جو کہ ناممکن ہے۔

اسلام انسان کے ہر کردار اور اعمال کے سلسلہ میں ایک خاص حکم رکھتا ہے جو لوگ اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہیں جانتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول کے مطابق ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کے لئے بھی کتاب اور سنت میں حکم خداوندی موجود ہے۔[۱۶] اور جب تک انسان اسلامی احکام کا پابند نہ ہو اسے مسلمان نہیں کہا جا سکتا آیت ﴿ **فلا و ربک لا یؤمِنُون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما** ﴾ (نساء/۶۵) ''لیکن نہیں! تمھارے پروردگار کی قسم وہ لوگ ایمان نہیں لا سکتے جب تک کہ تمھیں اپنے اختلافی امور میں حَکَم نہ بنائیں پھر ان کے دل میں تمھارے حکم کے سلسلہ میں تزلزل نہ پایا جائے اور اسے کامل طور سے تسلیم کر لیں''۔

چوتھا نکتہ

اسلامی بیداری بنیادی طور سے تین عنصر یعنی، پسماندگی، تفرقہ اور لائیزم (لامذہبیت، دین اور سیاست میں جدائی) کے ردعمل میں اور اسلام کی طرف اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ پلٹنے کی خاطر ظہور میں آئی ہے، اسلام ترقی کا دین ہے اور ہر طرح کے علم حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے نیز امت اسلامیہ سے چاہتا ہے کہ اقتدار کے ہر عنصر کو اپنے اندر پیدا کریں اور بہترین امت ہونے کے لئے اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لائیں اور دنیا کی قوموں میں سب سے آگے رہیں، پسماندگی، قطعی ایک غیر فطری حالت ہے۔

اسلام، دین اتحاد ہے اتحاد کا اسلامی موقف بھی بالکل واضح ہے، قانون ایک ہے، رہبر ایک ہے، احساسات، جذبات وشعار اور عبادات بھی ایک ہیں، امت کا سرمایہ بھی تمام امت کی ملکیت ہے مسلمانوں کے حقوق بھی مساوی ہیں بلکہ بعض تو مالکیت میں بھی مشترک ہیں معیشتی لحاظ

سے بھی مساوات اور معاشرتی حقوق تمام مسلمانوں کو شامل ہے تمام مسلمان امت واحدہ نیز اس کے حدود کی پاسبانی میں یکساں ذمہ دار ہیں۔

لیکن موجودہ حالات اور اس کے اسباب سب کے سب غیر فطری ہیں اور اسے ختم کرنے اور اسلام کی واقعیت کی طرف پلٹنے کے لئے ہر ایک پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کوئی عالم یا اسلام کی حقیقتوں سے واقف، کوئی عام آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو اس روشن حقیقت کا انکار کرے۔

اسلام (جیسا کہ گزر چکا) دین حیات ہے اور ممکن نہیں کہ لائیزم کے ساتھ چاہے کسی بھی تعریف یا کوئی سے بھی مثبت یا منفی اوصاف کے ساتھ جمع ہو جائے لیکن موجودہ حالات کی بناء پر اگر کوئی مدعی ہوتا ہے تو وہ ظاہری فریب کے سوا کچھ نہیں کیوں کہ یہ نظریے اسلام پر تھوپے گئے ہیں اور اسلامی حقائق کے منافی ہیں۔

ہوسکتا ہے محترمہ شیرین ہنٹر کے بعض جملات اور بیانات سے ہم متفق ہوں اور توفق پسندی کے عنصر کو خاص طور سے اس تنازعہ اور جنگ کا سبب قرار دیا جائے لیکن اس کے باوجود یہ جان لینا چاہئے کہ برتری طلبی ایک فطری جذبہ ہے جو اگر اصلاحی رقابت کی صورت میں ہو تو یہی بشری زندگی کے ہر میدان میں تکامل اور ارتقاء کا سبب ہے البتہ اگر منفی صورت اختیار کر لے اور قہر، زبردستی اور دوسروں کو نابود کرنے پر تل جائے تو یہی ویرانی اور ستمگری کا سبب ہے۔

وہی جو گلوبلائیزیشن کے نام پر اسلام اور مغرب کے تنازعہ کی صورت میں دکھ رہا ہے۔ اس بنا پر اسلامی بیداری، اسلامی تہذیب کی برتری چاہتی ہے اور اس بات سے دوسروں کو خلش نہیں ہونی چاہئے خاص طور سے وہ لوگ جو اپنے کو رقابت پسند سمجھتے ہیں ظاہر ہے اس جذبہ کی توسیع دوسروں میں بھی ہونی چاہئے۔

اس بیداری کے اسباب کے سلسلہ میں بھی ہمیں توقع نہیں ہے کہ مصنفہ اس کے حقیقی اسباب کو بیان کریں، وہ چوں کہ ایسا نہیں کر سکتیں تو کچھ جزئی اور غیر اہم اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے نہایت سطحی انداز میں نظریۂ حسد اور روابط میں تبدیلی اور اس قسم کے اسباب کو ذکر کرتی ہیں

جب کہ اس کے حقیقی اسباب (حقیقتوں کے تجزیہ کی روشنی میں) یہ ہیں:

۱)۔ اسلام کی اندرونی طاقت اور لافانی عظیم قدرت، مسلمانوں میں انقلاب کے جذبوں کو ابھارتی ہے اور اپنی تہذیب کی حفاظت کی دعوت دیتی ہے اور اس سے اہم یہ کہ ہمیشہ اس کی برتری کو برقرار رکھنے یا اس برتری کو دوبارہ حاصل کرنے کی ہدایت دیتی ہے۔ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ نیست و نابود کرنے کی تمام روشیں، وقتی نتائج کی حامل ہیں کیونکہ اسلام ذاتی طور پر اتحاد کی دعوت دیتا ہے اور لائیزم (لامذہبیت، دین اور سیاست میں جدائی) کو مسترد کرتا ہے، مصنفہ (شیرین ہنٹر) اس اہم سبب کو بیان کرنے میں مردد ہیں کبھی اعتراف کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں تو کبھی اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگتی ہیں۔

۲)۔ عالم اسلام پر مغربی یلغار میں اضافہ، اس طرح سے کہ مغرب نے عالم اسلام کے ذخائر کو نشانہ بنایا اور اسلامی ممالک کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کیا، مسلمانوں کی ثقافتی پہچان کو مٹانے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اسلام کے اخلاقی اور عقیدتی بنیادوں پر بھی حملہ آور ہوئے اور اخلاقی بدعنوانیوں کو پھیلانے اور مسلمانوں کی معاشرتی ساخت کو توڑنے میں اپنے حقیقی یا ثقافتی نوکروں کے ذریعہ بھرپور کوششیں کیں (عالم اسلام کے قلب میں غاصب صہیونیوں کی حکومت کو قائم کر دیا) بے شک اس قسم کے حملوں کے ردعمل میں (نیست و نابود کرنے کی ساری ممکنہ کوششوں کے باوجود) وہ امت ضرور جواب دے گی جس میں اسلام زندہ اور پائندہ ہے۔

اس سبب کے مختلف پہلو اتنے واضح اور آشکار ہیں اور کسی سرزمین کے قبضہ کے ردعمل میں مقاومت کا ہونا اتنی واضح سی بات ہے کہ ہم مزید اس سلسلہ میں گفتگو کر کے بات کو پھیلانا نہیں چاہتے خود غرب بھی اس حقیقت سے آگاہ ہونے کی بناء پر کچھ اسلامی ملکوں کو ظاہری آزادی دے کر اور کچھ سہولتیں فراہم کر کے اپنے اس کام پر پردہ پوشی کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کی بناء پر اسلامی بیداری کو مزید پھیلنے کا اور موقع مل گیا لہٰذا ۶۰ کی دہائی میں اسلام کی عالمی فکر سامنے آئی اور ۷۰، ۸۰ کی دہائیوں میں مغرب کے لئے ایک خطرہ بن کر نہایت وسیع پیمانہ پر پھیل گئی۔

۳)۔ مقاومت اور جہاد کی فکر کو بدلنے کے لئے تمام منصوبوں کی ناکامی، کیونکہ ہر منصوبہ میں اس کی شکست کی وجہ اسی میں پوشیدہ تھی۔

تنگ نظرانہ قوم پرستی کا منصوبہ، اپنے طمطراق نیز تیزی سے پھیلنے اور غرب کے بہت سے اغراض کو پورا کرنے اور ترکی جیسے کئی ممالک میں بہت سے اسلامی اقدار کو پامال کرنے کے باوجود، آخر کار ناکام رہا کیونکہ اسلامی فطرت جو قومیت اور عصبیت کی خود ساختہ حدود سے کہیں وسیع ہے، قوم پرستی سے مطابقت نہیں رکھتی۔

شوشلیزم بھی ناکام ہو گیا حالانکہ اس کے بعض نعرے جیسے معاشرہ میں عدالت، محروموں کی حمایت، استعمار سے بغاوت، اسلامی تعلیمات سے منطبق تھے لیکن چوں کہ الحادی بنیادوں پر استوار تھے لہٰذا ناکام رہے، اس کی مرکب شکل یعنی قومی شوشلیزم کو بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیوں کہ یہ جوڑ بھی غیر واقعی ہونے کے ساتھ، اسلامی نقطۂ نظر سے بھی بے ربط تھا اور کسی خاص مکتب کی عکاسی نہیں کرتا تھا۔

میں اس مقام پر یہ چاہتا ہوں کہ اپنے استاد محترم شہید محمد باقر الصدرؒ کے اس سلسلہ میں بہترین تجزیہ کو پیش کروں وہ فرماتے ہیں امت اسلامیہ کے پاس پسماندگی اور اپنے انتشار پر قابو پانے کے کارزار میں اور بہتر و برتر مقام مستحکم وجود، غنی اور خوشحال معاشی نظام حاصل کرنے کے لئے، سیاسی اور معاشرتی تحریکوں میں مختلف راہوں کو آزماتے اور شکست کھاتے ہوئے، سوائے راہ اسلام کے اور اسلام کی ترقی یافتہ تعلیمات کو اپنانے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

جب سے عالم اسلام نے مغربی طرز زندگی کو اپنا نصب العین بنا لیا اور اپنی عظیم رسالت اور بشریت کی زندگی پر اپنی امامت پر ایمان رکھنے کے بجائے غرب کی فکری رہبری اور تہذیب کے کاروان میں ان کی امامت کو قبول کر لیا تو اپنی زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھال لیا جس میں مغرب نے دنیا کو معاشی اعتبار سے روایتی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا تھا یعنی معاشی ترقی یافتہ اور فقیر و پسماندہ اور تمام عالم اسلام کو دوسرے حصہ میں یعنی فقیر و پسماندہ قرار دیا۔ آپ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ

عالم اسلام کے گمان میں راہ نجات اور اس معیوب حلقہ سے نکلنے کا راستہ غرب کی پیروی میں ہے، اسی لئے اسلامی ممالک نے سیاسی اور معاشی اعتبار سے دو نظام یعنی شوشلیزم یا سرمایہ داری کی اپنے خاص دلائل اور وجوہات کی بناء پر پیروی اختیار کر لی۔ اس کے بعد آپ ان لوگوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے جو کسی بھی لائحہ عمل کے اجراء میں امت کے نفسیاتی پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

''استعمار کی خود ساختہ نفسیات کے پیش نظر امت اسلامیہ کے پاس اس سے اور استعمار کی ہر چیز سے دوری اختیار کرنے کے لئے اپنی جدید نہضت کو استعمار کی تہذیب سے مستقل ہو کے اپنے معاشرتی نظام کے مطابق ڈھالنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے''۔ راہ حل کے طور پر نیشنلیزم کو ایک مکتب فکر اور تہذیب کی بنیاد کا درجہ دے کر پیش کیا گیا جب کہ نیشنلیزم، نہ کوئی مکتب فکر، نہ کوئی بنیادی عقائد کا مجموعہ ہے بلکہ صرف ایک تاریخی اور لسانی جوڑ ہے، اسی بناء پر عالم اسلام کے بعض ممالک ''عربی شوشلیزم'' کا نعرہ لگانے لگے تا کہ ایک بیگانہ واقعیت یعنی تاریخی اور فکری شوشلیزم سے گریز کر سکیں لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکے اور اس سلسلہ میں بڑھتی ہوئی امت کی حساسیت کو نہ روک سکے کیوں کہ یہ بنایا ہوا سانچہ اس سے کہیں کمزور تھا کہ ایک بیگانہ مفہوم کو چھپا سکتا... عربی شوشلیزم کے مدعی، عربی ایرانی اور ترکی شوشلیزیم میں جوہری فرق کو بھی نہیں تمیز دے سکتے، آپ مزید کہتے ہیں ''عربی شوشلیزم کے مدعی اپنے شوشلیزم کو عربی سانچہ میں ڈھالنے کے باوجود اس کے مضمون کو ایک نئی شکل دینے میں ناکام رہے''۔ شہید نے اس موقف کو اختیار کر کے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا جسے ہم بیان کر چکے ہیں، اور وہ یہ کہ دور استعمار کی نفسیات کے پیش نظر امت اسلامیہ ناچار ہے کہ اپنی جدید تحریک کو ایسی مضبوط بنیادوں پر رکھے جس کا تعلق استعماری ممالک سے نہ ہو''۔ آپ ان اغراض کی تکمیل میں اسلام کی طاقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عالم اسلام میں استعماری کوششوں سے پھیلتے ہوئے انتشار، ضعف اور کمزوری کے باوجود یہ طاقت ابھی بھی صحیح نقطۂ نظر کی تعین، ایک موقف، ایک راہ اختیار کرنے، جذبات کو ابھارنے اور کوششوں کو بارآور کرنے کی حیرت انگیز تاثیر رکھتی ہے''۔ [۱۷]

ہم پھر مصنفہ (شیرین ہنٹر) کی طرف پلٹتے ہیں: وہ کبھی اس سبب کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ لائیزم ان پچاس برسوں میں زبردست کامیابی کے باوجود اپنے تمام اغراض ومقاصد کو پورا نہ کرسکا اور ابھی بھی مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی پابندی واحد راہ حل کے طور پر مانی جارہی ہے۔

۴)۔ عظیم روشنگر شخصیتوں کا آنا جنھوں نے اس بیداری کے پیدا کرنے یا اس کے مقدمات کو فراہم کرنے اور اسے صحیح رخ دینے اور اسے حماسی وفکری قدرت بخشنے اور لوگوں میں خود اعتمادی پیدا کرنے اور ایک روشن مستقبل کی امید کی کرن دکھانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ مومنین اور مستضعفین کی تمام دنیا پر کامیابی اور دنیا پر عدل وانصاف کے نفاذ کا الٰہی وعدہ اور مصلح موعود کے ظہور پر ایمان بھی شامل ہے۔

ان شخصیتوں میں بہت سی بزرگ ہستیوں کا نام لیا جاسکتا ہے، من جملہ: سید جمال الدین اسد آبادی (افغانی) جن کے کردار پر مصنفہ نے کافی انگلیاں اٹھائی ہیں نیز مرحوم محمد عبدہ۔ ان کے بارے میں بھی مصنفہ نے بہت کچھ کہا ہے اور انھیں ان کے شاگردوں میں سکولرزیم کے رجحان کا سبب قرار دیا ہے اور مرحوم مرزا نائینی، مرحوم کاشف الغطاء، امام خمینیؒ مرحوم سید قطب، شہید محمد باقر الصدرؒ، استاد شہید مطہری، مرحوم غزالی، شہید ڈاکٹر بہشتی اور بہت سی دیگر ہستیاں...

۵)۔ اہم بڑے حوادث اور واقعات کا بھی اسلامی بیداری کے شعلوں کو مزید بھڑکانے میں بہت بڑا کردار ہے، من جملہ:

۱۔ مواصلاتی وسائل میں ترقی اور ملٹی میڈیا کا انقلاب۔

۲۔ اسلامی تعلیمات کی سطح میں اضافہ۔

۳۔ تبلیغ اسلام کے اسلوب میں ترقی۔

۴۔ عالم اسلام میں بعض آزادی کا فراہم ہونا۔

۵۔ استعمار مخالف تحریکوں میں اضافہ۔

۶۔ انسانی حقوق کا دفاع کرنے والی عالمی تنظیموں کا قیام اور بین الاقوامی روابط کو انسانی

اصولوں پر استوار کرنے کی دعوت۔

۷۔بعض دردناک حوادث کا وقوع جیسے: مسجد اقصیٰ میں آگ لگانا یا ۱۹۶۷ء میں اسرائیل سے عربوں کی شکست۔

۸۔ایران میں اسلامی انقلاب کی عظیم کامیابی اور افغانستان میں افغانی مجاہدوں کی روس پر فتح۔

۹۔روس کا زوال اور وسطی ایشیاء کے اسلامی ممالک کی رہائی اسی طرح دوسرے حوادث اور واقعات نے اس اسلامی بیداری کی توسیع اور اس کے مفاہیم مطالبات جیسے پسماندگی، انتشار اور سکولرزیم کے خلاف دعوت عمل اور اس اسلام کی طرف پلٹنے کی دعوت جو واحد راہ حل ہے۔

نیز اس جیسے تمام مطالبات کی ترویج میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہاں پر اس بات کی یاددہانی کرانا ضروری ہوگا:

غرب اس اسلامی بیداری کو ناکام کرنے، اس سے مقابلہ کرنے، اسے مشغول کرنے اور اس پر پسماندگی، بنیاد پرستی قدامت پرستی، شدت پرستی، بربریت، دہشت گردی، آزادی، ڈموکریسی اور حقوق بشر کے خلاف ہونے کی تہمتیں لگانے کی کسی بھی کوشش سے باز نہ آیا۔

البتہ مسلمانوں میں بھی ایسے افراد تھے جو اس سلسلہ قدامت پرستی کی فکر کے حامل تھے اور مغرب کو بولنے کا موقع فراہم کیا کرتے تھے، یا شدت پسندی کا شکار ہوکر کبھی کبھی ٹرورسٹی اقدامات بھی انجام دیئے یا آزادی اور ڈیموکریسی اور حقوق بشر کے خلاف سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس قسم کے لوگ نہ صرف یہ کہ لائیکی اسلام (سیاست سے جدا اسلام) کے نمائندہ نہیں ہیں بلکہ ان کے اعمال و کردار، روح اسلام اور اس کی تعلیمات سے منافی ہیں اور اسلامی بیداری کی صحیح تحریک کے بھی نمائندہ نہیں ہیں اور خود مصنفہ بھی اس بات کی طرف کاملاً متوجہ ہیں۔

پانچواں نکتہ

اسلامی بیداری کا مستقبل

اس بیداری کے مستقبل کی وہ تصویر جو مصنفہ پیش کرتی ہیں مغرب کے اغراض سے تقریباً ملتے جلتے رجحانات کے ساتھ ایک مبہم اور تاریک تصویر ہے، وہ تصویر جو زندگی میں اسلام کے اہم کردار کو کم کرنے اور اسلامی ممالک کے موقفوں میں تنگ نظری، منافع کے ٹکراؤ اور سکولرزیم کی توسیع کے سبب، انتشار پیدا کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ سب عالم اسلام کے کسی درد کی دوا نہیں ہے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ عالم اسلام، مغرب کے ساتھ قدرت کے توازن میں شدیداً منفی رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔

اس صورت میں مصنفہ کے خیال میں بہتر یہی ہوگا کہ عالم اسلام اس طاقت کے آگے تسلیم ہو جائے اور اپنی حیثیت ''پسماندہ تیسری دنیا'' میں ہی اکتفاء کرے، گویا اسی کے ساتھ ساتھ مغرب کو بھی گوش زد کر رہی ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عالم اسلام کو ترقی اور پیشرفت کا موقع دے کر برابری اور رقابت کی اجازت دے دی جائے کیوں کہ اس طرح عالم اسلام اور مغرب میں مسائل اور ان کے توقعات اور امیدیں اور بڑھ جائیں گی جب کہ اگر وہ اسی طرح پچھڑے رہیں تو ان کے تسلیم ہونے کا امکان زیادہ ہوگا۔

یہ وہی نتیجہ ہے جسے مصنفہ نے اپنی کتاب کے آخر میں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مغرب کے کسی حد تک معتدل مصنفین کا نظریہ یہی یا اس سے ملتا جلتا ہے اور ان کے شدت پسندوں جیسے ویلیم جیمز اور ہنٹنگٹن کا نظریہ وہی ہے جو جنگل کے قانون کے مطابق عالم اسلام سے تصادم اور ان پر قہر آمیز

کاری ضرب لگانے اوران سے کسی طرح کے تعاون نہ رکھنے کی رٹ لگائے ہوئے ہیں بہرحال ہمیں مصنفہ کے نظریہ سے بھی سراسر اختلاف ہے۔

ہماری نظر میں اسلامی بیداری کے مستقبل کی تصویر کچھ یوں ہے:

۱۔اسلامی بیداری کی تحریک میں توسیع اوراس کا گہرا استحکام اس طرح سے کہ اب اسے ختم کرنا یا اسے توڑنا یا اس میں تبدیلی پیدا کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس بات کی دلیل میں ، اپنے دینی عقیدے سے قطع نظر حالانکہ ہمیں پورا ایمان ہے، بیداری کی اس لہر کو جو تمام عالم اسلام میں پھیل گئی ہے اور عوام کی امیدیں اس سے دن بہ دن پڑھتی چلی جارہی ہیں اور اسلامی سنت وآداب کی پابندی جو شدت سے پھیل رہی ہے اس قسم کے امور کو پیش کیا جاسکتا ہے من جملہ:

حجاب، اسلامی تعاون، زندگی کے تمام امور میں اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے عوام کا شدید مطالبہ اور سیاسی معاشرتی میدانوں میں اس کا پرزور اقدام نیز سیکولر نظریہ کا دن بہ دن زوال اور فلسطین میں فلسطینیوں کے درمیان، اسی طرح دیگر محاذوں میں اسلام کے سوا ہر چیز سے مکمل مایوسی ، نیز مسلم دانشوروں اور عوام میں اتحاد و برادری اور مذہبوں کی آپسی قربت کی طرف بڑھتا ہوا رجحان، اسی طرح پسماندگی سے نجات کے لئے ہر سطح پر باہمی بھرپور کوشش اور....

۲۔اسلامی ممالک میں باقاعدہ آپسی تعاون کے لئے بڑھتا ہوا رجحان اور عالمی اداروں کی باہمی سرگرمیوں کو تقویت دینے کے لئے جدید لائحہ عمل تیار کرنے کی کوشش اور ہر ایک کو مشترک خطرہ کا احساس۔

یہ بات کہتا چلوں کہ ہم کسی خوش فہمی کے شکار نہیں ہیں لیکن ہاں! مسلمانوں کی اکثریت میں

اس رجحان کے سلسلہ میں پورا علم رکھتے ہیں اور امید ہے کہ ایک دن یہ ضرور محقق ہوگا خاص کر یہ کہ اب ہر چیز حکومتوں اور صاحبان اقتدار کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اس سلسلہ میں عوام بھی بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

۳۔ ہر میدان میں عالم اسلام کی اہمیت میں اضافہ اگر چہ کبھی کبھی اس اہمیت کو کما حقہ محسوس نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا یہ امت، ایک عظیم افرادی قوت، دنیا کے سب سے اہم امکانات، نہایت اہم جغرافیائی موقعیت نہایت اعلیٰ سطح کی علمی صلاحیتوں اور سب سے اہم اسلامی تہذیب کی لازوال ابدی عظیم طاقتوں سے پوری طرح بہرہ مند ہے اور آخری بات یہ کہ:

میرے خیال سے عالم اسلام کو بے حساب امکانات اور مستقبل کو سنوارنے کی عظیم طاقت کے باوجود ایک ایسے لائحہ عمل کی ضرورت ہے جو گزشتہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے روشن مستقبل کے لئے اپنے موجودہ امکانات کو علمی طریقہ سے بروئے کار لا سکے، اس لائحہ عمل میں دو چیزوں کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے:

الف۔ امت کو قرآنی مفاہیم سے جوڑنا اور معاشرہ کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دلانا، نتیجہ میں ہماری اس عظیم کتاب ہدایت سے مطلوبہ مطابقت اسی عظیم درجہ کے شایان شان ہے جسے پروردگار عالم نے اس امت کو بشریت کی رہبری اور پیشوائی کے لئے قرار دیا ہے بشری تہذیب کے کاروان میں امت کی ہمراہی اور اسلام کے اتحاد میں اس کی تعلیمات ایک طرف تو ترقی یافتہ علمی اساسوں کے مطابق ہو اور دوسری طرف اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر طرح تیار ہو۔

ب۔ تعلیم وتربیت کے نظام کا ثقافتی اور تبلیغی سرگرمیوں کے عین مطابق ہونا کہ ان تین میدانوں میں ترقی دوسرے میدانوں میں ترقی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور ان میدانوں میں بھی ترقی کا مطلب یہ ہے کہ دینی بنیادوں اور اصولوں پر بدلتے ہوئے عناصر کو مدنظر رکھتے ہوئے زمانے کے مطابق، ایک روشن اور دینی ثقافت جو لوگوں کی زندگی کو پروردگار عالم سے جوڑ دے اور ایک جامع اور کامل تبلیغی نظام کے ساتھ صحیح تربیت عمل میں آئے، الٰہی توفیقات اور پروردگار عالم کی ہدایات کے ساتھ۔

مذاہب کلامی میں توحید

عزالدین رضانژاد

ترجمہ: کرار حسین اظہری

خلاصہ

سارے مسلمان بہت سے اعتقادی وفقہی اور اخلاقی موضوعات میں مشترک نظریات رکھتے ہیں کچھ لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اختلافی چیزوں کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کریں اور نتیجہ میں وحدت و ہمدلی کو دشوار یا ناممکن بنا دیں۔ اس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ مذاہب کلامی کی ایک مشترک اصل کو پیش کیا جائے اور تمام مذاہب کی تفسیر وتبیین کرتے ہوئے سب سے اہم اعتقادی مسئلہ یعنی توحید کو پیش کر کے متنبہ کیا جائے کہ تمام آسمانی شریعتیں توحید اور یکتا پرستی پر استوار تھیں اور سارے مسلمان توحید کا اعلان کرتے ہوئے ہر قسم کے شرک اور دوگانہ پرستی سے دور ہیں۔

تمام اسلامی مذاہب نے جو توحید اور خداوند عالم کی ذات وصفات کے سلسلہ میں اہتمام کیا ہے مقالہ کے آخری حصہ میں اس کے متعلق ''توحید'' کی وصفی کتاب شناسی کو بھی پیش کیا گیا ہے اس میں شیعہ اور اہل سنت کے علماء کی جانب سے لکھے گئے بیس سے زیادہ علمی یادگاری آثار کا تعارف کرایا

گیا ہے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ توحید کے سلسلہ میں تمام مسلمانوں کے نظریات میں اتحاد پایا جاتا ہے۔

کلیدی کلمات

توحید، توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی، توحید تشریعی، توحید ربوبی، شرک، مذاہب کلامی، امامیہ، معتزلہ، اشاعرہ ماتریدیہ، فلسفہ، عرفان۔

مقدمہ

تمام آسمانی شریعتوں میں جو سب سے اہم اعتقادی خصوصیت یکساں طور پر پائی جاتی ہے وہ وجود خدا کا اعتقاد ہے درحقیقت تمام ادیان کے درمیان یہ وہ مشترکہ اصل ہے جسے انبیائے کرام علیہم السلام نے بیان کیا ہے اور اسے ایک مادی انسان سے الٰہی انسان کے لئے ایک ممتاز فصل قرار دیا جاسکتا ہے وجود خدا کو ثابت کرنے کے لئے خدا پرست افراد کی جانب سے بہت سے طریقے بیان کئے گئے ہیں جن کا ذکر مناسب مقام پر کیا جائے گا۔

انبیائے کرام نے پہلے لوگوں کو یہ بتایا کہ خدا کے موجود ہونے کا عقیدہ رکھو انھوں نے اپنی اس الٰہی دعوت میں جس اہم نکتہ کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی وہ ''توحید'' ہے، مسئلہ توحید پر توجہ دینا ایک ناقابل تغییر حقیقت کے علاوہ یہ خصوصیت بھی رکھتا ہے کہ اس سے لوگوں کو شرک و دوگانہ پرستی سے نجات ملتی ہے۔ اسی لئے تمام آسمانی شریعتیں اصل توحید پر استوار تھیں اور خدا کی جانب سے پیغام لانے والوں کا برابر یہ اعلان رہا ہے کہ وہ ہر قسم کے شرک اور انحراف سے دور ہیں۔

تمام مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی ایک راہ، اسلامی مذاہب کے مشترکہ اصول کی طرف توجہ کرنا ہے اس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ توحید کو تمام مسلمانوں کا اصلی محور قرار دے کر اس پر توجہ

دی جائے نیز اہم اسلامی فرقوں کے مختصر اختلافات اور ان کی تفسیروں کو بھی بیان کیا جائے۔

۱۔توحید کی تعریف

لفظ ''توحید'' باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے معنی یہ ہیں: ایک جاننا، اس کے مفہوم میں وحدت کا لحاظ کیا گیا ہے۔توحید کا مادہ ''وحد'' ہے اور اسی سے لفظ ''وحدت'' مشتق ہوا ہے جس کے معنی انفراد کے ہیں اسی لئے ''واحد'' کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس کا کوئی جز نہیں ہوتا۔(مفردات راغب، ص۵۵۱) اور اسی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے توحید کا مطلب کسی چیز کو تنہا قرار دینا ہے۔ (تاج العروس: ۲۹۸/۵) خداشناسی کی بحث میں توحید کے معنی یہ ہیں یکتا پرستی، خدا کی یگانگت نیز خدا کا اکیلا اور بغیر شریک ہونا۔

۲۔توحید، مذہب معتزلہ میں

علم کلام کی بحث میں معتزلہ مسئلہ توحید کے لئے بہت زیادہ اہتمام کے قائل ہیں انھوں نے توحید کو پنجگانہ اصول دین کی پہلی اصل قرار دیا ہے اور توحید کی تفسیر میں خصوصاً توحید صفاتی کے سلسلہ میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اسی وجہ سے ایک معتزلی عالم قاضی عبدالجبار نے توحید کو بیان کرتے ہوئے صرف دو مرتبہ توحید ذاتی وصفاتی کو بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: متکلمین کی اصطلاح میں توحید یہ ہے کہ ہم خدا کی وحدانیت کا عقیدہ رکھیں اور جن صفات کا وہ مستحق ہے ان میں اس کے علاوہ کسی دوسرے کو شریک قرار نہ دیں۔(شرح الاصول الخمسہ، ص۸۰)

معتزلہ کہتے تھے: خدا نہ تو جسم ہے اور نہ عرض بلکہ وہ اعراض و جواہر کا خالق ہے اور وہ حواس پنجگانہ میں سے کسی ایک سے بھی قابل درک نہیں ہے اور دنیا و آخرت میں کہیں دکھائی نہیں دے گا، وہ

حیز و مکان میں نہیں سماتا۔لم یزل و لا یزال ہے، ایزد تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز ممکن الوجود ہے اور وہ ''واجب الوجود ہے''، اس کا وجود اسی کی وجہ سے ہے اور اس کے علاوہ تمام چیزوں کا وجود اسی کی ذات سے ہے، وہ تمام موجودات کا خالق ہے تمام موجودات ''ممکن الوجود'' وحادث ہیں۔

توحید افعالی کے سلسلہ میں جو بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے معتزلہ نے اس عقیدہ پر اعتراض کیا اور مسئلہ تفویض کو بیان کیا ہے درحقیقت ان لوگوں کے خلاف یہ ایک قسم کا ردعمل ہے جن کا یہ اصرار تھا کہ ''خداوند عالم انسانوں کے تمام (نیک و بد) افعال کا خالق ہے'' (اشعری: ص۶۴) معتزلہ کے نزدیک توحید افعالی کی یہ تفسیر، الٰہی عدالت کے منافی ہے ان کے نزدیک انسان اپنے تمام امور میں آزاد و مختار ہے اور الٰہی عدالت بھی ان کے اعتقادی اصول کا ایک جز ہے انھوں نے یہ عقیدہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ جب انسان کو خدا کی جانب سے اس کے افعال کی سزا اور اس کا ثواب ملے گا تو وہ قابل توجیہ ہو اور مواخذہ و عقاب کی صورت میں جب یہ فرض کیا جائے کہ انسان ہی نے اپنا فعل خود انجام دیا ہے تو خدا کی جانب سے کوئی ظلم نہ ہوگا جو اس کی عدالت کے خلاف ہو، معتزلہ کی نظر میں عدل کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم شر و فساد کو دوست نہیں رکھتا اور وہ بندوں کے افعال کو ایجاد نہیں کرتا بلکہ بندے سارے افعال خود ہی انجام دیتے ہیں لہٰذا وہ اپنے اعمال و کردار کے ذمہ دار ہیں خدا نے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان میں حکمت و مصلحت ہے اور جن چیزوں سے روکا ہے ان میں فساد و برائی ہے۔

خداوند عالم بندوں کو ایسی چیزوں کا حکم نہیں دیتا جو ان کی توانائی سے زیادہ ہوں کیوں کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿**لا یکلف نفسا الا وسعها ...**﴾ (سورہ بقرہ: ۲۸۶/۲) وہ کبھی میزان عدالت و انصاف سے خارج نہیں ہوتا، اس کا امر کسی محال چیز سے متعلق نہیں ہوتا کیوں کہ وہ عادل ہے اگر ایسا کرے گا تو عدالت کے خلاف ہوگا۔ (محمد جواد مشکور: ۴۱۷۔۴۱۸)

۳۔توحید، مذہب اشاعرہ میں

اشاعرہ نے بھی تمام مذاہب کلامی کی طرح تعریف توحید میں توحید ذاتی کی تصریح کی ہے یہ لوگ معتزلہ کے برخلاف توحید افعالی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور توحید صفاتی کے بارے میں وہ عقیدہ نہیں رکھتے جو دوسرے کلامی مذاہب کا ہے خصوصاً صفات ذاتی وعینی اور صفات خبریہ کی تاویل جن کا عدلیہ فرقہ قائل ہے۔ اشاعرہ نہ صرف ان امور کے بارے میں کوئی اہتمام نہیں کرتے بلکہ انھوں نے ان چیزوں کی جو تفسیر کی ہے وہ دوسروں کی تفسیر کے خلاف ہے۔

ابوالحسن اشعری جنھوں نے درحقیقت اہل سنت کے درمیان (تیسری صدی کے آخر میں اور چوتھی صدی کے شروع میں) جدید علم کلام کو نشر کیا تھا انھوں نے معتزلہ کی روش کے مقابلہ میں جو برہان وکلام کی روش تھی اہل سنت کے طریقہ کی تائید وتقویت کی اور معتزلہ کے برخلاف قرآن کو قدیم مانا نیز خدا کی ذات وصفات کے درمیان فرق کے قائل ہوئے اور اپنے اس عقیدہ کا اظہار کیا کہ آخرت میں خدا کا دیدار ممکن ہے۔ انھوں اپنے کلام کو چار ارکان پر اور ہر رکن کو دس اصول پر رکھا ہے۔ چوتھے رکن کے علاوہ جو قیامت وامامت کے بارے میں ہے انھوں نے ''ذات'' و''صفات'' اور ''افعال'' الٰہی کو درج ذیل شرح کے ساتھ بیان کیا ہے:

پہلا رکن :

ذات الٰہی کے بارے میں ہے اس کے دس اصول یہ ہیں: خدا موجود ہے، واحد ہے، قدیم ہے، جوہر نہیں ہے، جسم نہیں ہے، عرض نہیں ہے ایسی جہت سے مخصوص نہیں جو کسی مکان میں ہو، ممکن ہے کہ دکھائی دے اور وہ ہمیشہ باقی ہے۔

دوسرا رکن :

صفات الٰہی کے بارے میں ہے، اس کے دس اصول یہ ہیں: خداوند عالم حی، عالم، قادر،

صاحب ارادہ، سمیع، بصیر، متکلم ہے محل حوادث نہیں ہے اس کا کلام قدیم ہے، اس کا علم وارادہ ازلی و قدیم ہے۔

تیسرا رکن :

افعالی الٰہی کے بارے میں ہے اس کے دس اصول یہ ہیں خداوند عالم بندوں کے افعال کا خالق ہے، بندوں کے افعال خود انھیں سے مکتسب ہیں، ان افعال کا صدور مشیت الٰہی سے ہوتا ہے، خدا کی جانب سے خلق واختراع احسان کی بنیاد پر ہے، خدا کے لئے تکلیف مالا یطاق کوئی معنی نہیں رکھتی اور جائز ہے کہ خدا بے گناہ لوگوں کو عذاب دے، خدا اپنے بندوں کی مصلحت کا پابند نہیں ہے، واجب وہ ہے جسے شریعت نے واجب بتایا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت خدا کے ثابت وباقی رہنے والے معجزات سے ہے۔ (گزشتہ ص ۵۵، ۵۶)

عبدالکریم شہرستانی نے توحید کے سلسلہ میں اپنے ہم مسلک اشعریوں کے نظریات کو اس طرح بیان کیا ہے: ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ ''واحد'' اسے کہا جاتا ہے جو اپنی ذات میں تقسیم و شرکت کو قبول نہیں کرتا اس اعتبار سے خدا اپنی ذات میں واحد ہے کوئی اس کا مثل نہیں ہے وہ اپنے صفات میں واحد ہے، کوئی اس کا شبیہ نہیں ہے اور وہ اپنے افعال میں واحد ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ (نہایۃ الاقدام: ص ۹۰)

ایک متاخر اشعری نے بھی انھیں نظریات کو توحید کی تعریف میں بیان کیا ہے: توحید یعنی یہ کہ ہم خدا کی ذات اور اس کے افعال میں اس کی یگانگی کا اعتقاد رکھیں اور اس کے لئے شریک کے قائل نہ ہوں۔ (محمد عبدہ: ص ۶۲)

خدا کا ارشاد ہے: **اللہ خالق کل شئ** : خدا ہر چیز کا خالق ہے (زمر: ۶۲/۳۹) اس آیت کی بنیاد پر سارے مسلمان خالقیت میں توحید کے قائل ہیں لیکن وہ لوگ آیت کے فہم واطلاق میں اختلاف رکھتے ہیں اشاعرہ نے خالقیت توحید کو محفوظ رکھنے کے لئے نظام سبب ومسبب اور علت و

معلول کی نفی کی ہے ان کا عقیدہ ہے کہ انسان کے افعال براہ راست خدا ہی کے افعال ہیں۔

اشاعرہ کے امام شیخ ابوالحسن اشعری کہتے ہیں: خدا کے علاوہ کوئی دوسرا خالق نہیں ہے اور بندوں کے تمام کام خدا کی جانب سے انجام پاتے ہیں... بندوں میں اتنی قدرت وتوانائی نہیں ہے کہ کوئی چیز پیدا کرسکیں جب کہ وہ خود ہی خدا کی ایک مخلوق ہیں۔ (الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ص ۴۶)

معتزلہ اور امامیہ نے اس عقیدہ کو اس تحلیل کے ساتھ باطل قرار دیا ہے کہ اگر انسان خود ہی اپنے افعال کو انجام نہ دے، خود ارادہ واختیار نہ رکھتا ہو تو اسے سزا وثواب دینا لغو وفضول ہوگا یہ عدل الٰہی کے خلاف ہے۔

۴۔ توحید، مذہب ماتریدیہ[1] میں

ماتریدیہ کے نزدیک توحید کا مسئلہ اور اس سے مربوط دیگر مسائل کی بہت زیادہ اہمیت ہے، ابومنصور ماتریدی جنھوں نے تفسیر، کلام، اصول فقہ اور تمام اسلامی علوم میں بہت اہم آثار چھوڑے ہیں انھوں نے مستقل اور ایک حد تک مفصل کتاب ''التوحید'' کے نام سے لکھی جو ان کے بعد تمام شاگردوں اور ماتریدیہ مذہب کے ماننے والوں کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

ماتریدی نے کتاب توحید کے شروع میں عقیدہ وایمان کے اعتبار سے تقلید کو غلط بتایا اور اس کے بعد معرفت کے منابع وادوات کو بیان کیا ہے۔ (دیکھئے: کتاب التوحید: ص ۳۔۹)

۱۔ مذہب ماتریدیہ کے بانی ابومنصور محمد بن محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی متوفی ۳۳۳ھ ہیں، لفظ ماتریدی سمرقند کے ایک دیہات ''ماترید'' کی طرف منسوب ہے۔

وہ صاحب مکتب کلامی تھے اپنے بعد بہت سی تالیفات اور شاگرد چھوڑ گئے ہیں ماتریدیہ کلامی مکتب کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ اس کے طرفداروں کی کثرت کے علاوہ بعض اسلامی ممالک میں شیخ محمد عبدہ (متوفی ۱۳۲۳ھ) نے اسلام میں اصلاح طلبی کی جدید تحریک کے لیڈر ہونے کے اعتبار سے کلام اسلامی کی تجدید وتاسیس کے لئے کوشش کی اور ماتریدیہ عقائد کی پیروی کی۔ (دیکھئے: تاریخ فلسفہ در اسلام: ۱/۳۸۲، ۳۸۳)

ماتریدی نے کتاب توحید کی ایک فصل میں جو خدا کے صفات ذات وصفات فعل کی تقسیم کے بارے میں ہے اپنے معاصر معتزلی متکلم ابوالقاسم (متوفی ۳۱۷ھ) کے نظریہ کو رد کیا ہے بنا برایں وہ صفات فعل کو بھی صفات ذات کی طرح ازلی وقدیم جانتے ہیں۔انھوں نے کتاب توحید کی الگ الگ تین فصلوں میں اسماء وصفات الٰہی کے بارے میں بحث کی ہے لیکن ان میں سے کسی میں بھی صفات کی عینیت (زائد برذات ہونے) کے بارے میں بحث نہیں کی ہے اگر چہ ماتریدی کے پیروکاروں کے درمیان مشہور نظریہ یہی ہے کہ صفات، زائد برذات ہیں جیسا کہ کتاب عقائد نسفی (متوفی ۵۳۷ھ) میں اس مطلب کی تصریح کی گئی ہے۔(عمر النسفی :ص۲ سعد الدین تفتازانی :ص۳۶ نیز علی ربانی گلپایگانی:ص۲۳۲۔۲۳۳)

ماتریدی کہتے ہیں: خداوند متعال کے دیدار کا عقیدہ رکھنا حقیقت یا اس کی تفسیر کو درک کئے بغیر لازم وحق ہے۔(کتاب التوحید ص۷۷)

انھوں نے صرف نقلی دلیل سے استناد کرتے ہوئے خدا کے دیدار کے عقیدہ کو بیان کیا ہے اور اس سوال کے جواب میں کہ خدا کیسے دکھائی دے گا؟ انھوں نے کہا ہے: خدا کا دیدار بغیر کیفیت کے ہے کیوں کہ کیفیت کا تعلق ایسی چیز سے مربوط ہے جس کی کوئی صورت ہوتی ہے خدا دکھائی تو دے گا لیکن یہ دیدار قیام وقعود، اتصال وانفصال، مقابلہ ومدابرہ اور نور وظلمت کی صفت سے خالی ہوگا نیز بغیر کسی ایسے دوسرے معنی کے ہوگا جس کا توہم کیا جائے یا عقل فرض کرے۔(گزشتہ: ص۸۵ نیز دیکھئے: فرق ومذاہب کلامی، ص۲۳۴، ۲۳۵)

۵۔توحید، مذہب سلفیہ (وہابیت) میں

وہابیت کے دعویدار پہلے دونوں گروہوں کے برخلاف توحید عبادی کی اہمیت کے بہت زیادہ قائل ہیں اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ وہ لوگ توحید کی تفسیر ''عبادت'' سے کرتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب ''توحید'' کی تعریف میں کہتے ہیں: توحید خدائے یکتا کی پرستش کا نام ہے۔(کشف الشبہات: ص۳) یہ لوگ کبھی کبھی الوہیت میں توحید کی تعبیر، عبادت میں توحید سے کرتے ہیں اور توحیدالوہیت کے یہ معنی بیان کرتے ہیں: ہم صرف خدا کی عبادت کریں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں۔(گزشتہ حوالہ) نیز تصریح کرتے ہیں: ''توحیدالوہیت'' یہ ہے کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں کیوں کہ ''لا الٰـہ الا اللّٰـہ'' کے یہی معنی ہیں یعنی اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔(ابن باز: ۱/۳۸)

وہابیوں نے جو توحید عبادی و توحیدالوہی کی خاص تفسیر کی ہے یہ باعث بن گئی کہ مسلمانوں کے وہ تمام اعمال جو صدیوں سے ان کے درمیان رائج تھے اور وہ لوگ انھیں فضائل میں شمار کرتے تھے مخدوش ہو جائیں اور انھیں مشرک ٹھہرایا جائے۔ان کے ایک مفتی نے لکھا ہے: جو اعمال لوگ مصر میں ''راس الحسینؑ'' کے پاس یا بعض حجاج جناب رسول خداؐ کی قبر کے پاس انجام دیتے ہیں ان تمام اعمال کا شمار غیر خدا کی پرستش میں ہوتا ہے۔(گزشتہ: ۲/۲۱)

توحید کی ایک دوسری قسم جس کو وہابیوں نے توحید کے اقسام میں شمار کیا ہے وہ اسماء وصفات میں توحید ہے اسماء وصفات میں توحید کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے جو اسماء وصفات قرآن وسنت میں ذکر کئے گئے ہیں ہم خدا کو صرف انھیں کے ذریعہ پکاریں اور صرف انھیں اسماء وصفات کو ثابت کریں جو قرآن میں خدا کے لئے ثابت وموجود ہیں اور اسی طرح ان اسماء وصفات کی نفی کریں جن کی نفی قرآن وسنت نے کی ہے۔(العثیمین: ص۲۱)

ظاہری طور پر اس کلام کو تمام کلامی مذاہب نے قبول کیا ہے لیکن ان کی درج ذیل بات قابل قبول نہیں ہے باب صفات میں سلف کی روش یہ تھی کہ وہ لوگ صفات کو بغیر کسی تحریف وتاویل کے انھیں کے حقیقی معنی کے ساتھ خدا پر حمل کرتے تھے۔(ابن تیمیہ: ۳/۶)

اس سے زیادہ قابل انکار بات وہ ہے جس کا اظہار انھوں نے صفات خبری کے بارے میں کیا ہے چنانچہ وہ معتقد ہیں: ید (ہاتھ) یداللّٰہ (خدا کا ہاتھ) اور اسی طرح دوسرے کلمات جو قرآن

میں آئے ہیں انھیں بغیر کسی تحریف وتاویل کے ان کے واقعی معنی کے ساتھ خدا پر حمل کرنا چاہئے۔ (گزشتہ: ص۸، ۹، ۱۷)

اس نظریہ میں اس بات پر زور دیا جارہا ہے کہ تمام موارد میں سارے الفاظ کو ان کے حقیقی و لغوی معانی پر حمل کیا جائے کیوں کہ مجازی معنی اصل کے خلاف ہیں۔ (محمد بن صالح العثیمین: ص۱۱)

واضح ہے کہ ایسا نظریہ خدا کی تجسیم اور تشبیہ پر دلالت کرتا ہے افسوس کہ بعض اہل حدیث اور کرامیہ ومشبہ وغیرہ دوسرے فرقے بھی اس غلط عقیدہ کے قائل ہیں اور اکثر مسلمان متفکرین نیز کلامی مذاہب نے ان سے دوری و بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

۶۔ توحید، مذہب امامیہ میں

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ''توحید'' تمام اسلامی مذاہب میں ایک مشترک اصل ہے اس سلسلہ میں جو نتیجے اور تفسیریں بیان کی گئی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تمام مذہب نے اس کے بارے میں اہتمام کیا ہے اس سے ان کے کلامی مبانی کی نشاندہی ہوتی ہے ہماری نظر میں ایسا لگتا ہے کہ تمام نظریات کی حقانیت کو نقلی اور عقلی دلیلوں کے ساتھ ملاحظہ کرنا چاہئے۔

اثنا عشری شیعہ توحید کو اصول دین کی ایک اصل اور عدل الٰہی کو اصول مذہب سے جانتے ہیں اور علم کلام کی کتابوں میں (خصوصاً شیخ صدوق کی کتاب توحید میں) توحید اور اس کے مختلف مراتب کے بارے میں جو بات تحریر میں آئی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- ۱۔ توحید ذاتی اس کی دو تفسیریں ہیں:

الف۔ خدا کی ذات یکتا اور بے ہمتا ہے اس کے لئے کسی مثل و مانند کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

ب۔ خدا کی ذات بسیط ہے اس میں کسی کثرت وترکیب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن کریم کا سورۂ توحید، توحید کے بارے میں مسلمانوں کے عقیدہ کو بیان کرتا ہے اس نے دونوں مرحلوں کی طرف اشارہ کیا ہے پہلی قسم کی طرف آیت ''ولم یکن له کفوا احدا ''اور دوسری قسم کی طرف آیت'' قل هو الله احد '' اشارہ کررہی ہے۔

۲۔خدا کے صفات ذاتی میں توحید: خدا کے اندر تمام صفات کمال موجود میں اور ذات باری تعالیٰ کے اندران تمام کمالات کے موجود ہونے پر وحی اور عقل دلالت کرتی ہیں خداوند عالم، قادر، حی، سمیع وبصیر ہے... یہ صفات مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے متفاوت ہیں لیکن واقعیت خارجی یعنی وجود خدا میں مغایرت نہیں رکھتے ہیں اور مقام عینیت میں اتحاد رکھتے ہیں دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ خدا کی ذات بسیط ہونے کے باوجود ان سارے کمالات کی حامل ہے بنا برایں خدا کے صفات ذاتی عین قدیم وازلی ہونے میں اس کے عین ذات ہیں۔

۳۔خالقیت میں توحید: خدا کے علاوہ کوئی دوسرا خالق نہیں ہے اور جو چیز بھی ہستی کا لباس پہنتی ہے وہ اسی کی پیدا کی ہوئی ہے، سورۂ رعد کی سولہویں آیت میں اور سورۂ غافر کی باسٹھویں آیت میں نیز دوسری آیات میں بھی اس سلسلہ میں جو تاکید ہے ان نقلی دلیلوں کے علاوہ عقل بھی توحید خالقیت کی گواہی دیتی ہے کیوں کہ ماسوی اللہ (خدا کے علاوہ) ساری چیزیں ممکن اور نیازمند ہیں اور طبیعی طور پر تمام چیزوں کی ساری ضرورتیں خدا کی جانب سے پوری ہوتی ہیں۔

توحید خالقیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ نظام ہستی میں اصل سببیت کی نفی کی جارہی ہے کیوں کہ تمام امکانی موجودات کے اندر ایک دوسرے کی تاثیر بخشی، اذن الٰہی سے ہوتی ہے اور وجود سبب نیز سببیت اشیاء (یہ دونوں) خدا کے ارادہ کا مظہر ہیں۔

۴۔ربوبیت اور جہان انسان کی تدبیر میں توحید: ربوبی کی دو قسمیں ہیں: تدبیر تکوینی اور تدبیر تشریعی۔تدبیر تکوینی سے مراد دنیا کے نظام کو برقرار رکھنا ہے یعنی دنیا کے تمام امور کی دیکھ بھال (مثلاً کائنات کو ایجاد کرنا) یہ سب خدائے یکتا کا فعل ہے۔

تاریخ انبیاء سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ توحید خالقیت کا مسئلہ ان کی امتوں کے درمیان بھی

اختلاف کا سبب بنا ہوا تھا اور اگر کوئی شرک تھا تو عام طور سے دنیا کی تدبیر اور اس کے بعد عبودیت سے مربوط ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانہ کے مشرک صرف ایک ہی خالق کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن ان کا یہ تصور غلط تھا کہ ستارہ، چاند یا سورج یہ سب دنیا کے ارباب و مدبر ہیں اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی جو ان سے مناظرہ کیا وہ اسی مسئلہ میں تھا (سورۂ انعام: ۶/۷۶۔۷۸) البتہ اس بات کی طرف توجہ رہے کہ توحید ربوبی کا اس عقیدہ کے ساتھ قائل ہونا کہ دوسرے مدبرین بھی ''اذن الٰہی کے ذریعہ اپنا وظیفہ انجام دیتے ہیں اور درحقیقت وہ ربوبیت خدا کے مظاہر کا ایک جلوہ ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسی لئے قرآن مجید توحید ربوبی کی تاکید میں دوسرے مدبرین کے وجود کی تصریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''**فالمدبرات امرا**'' (نازعات: ۷۹/۵)

''تشریع میں تدبیر'' کی بھی بہت اہمیت ہے یعنی شریعت سے متعلق تمام قسم کے امور (حکومت، فرمانروائی، قانون سازی، اطاعت، وفرمانبرداری، شفاعت اور گناہوں کی مغفرت) کا اختیار خدا کو ہے اور کسی کو بھی اس کی اجازت کے بغیر ان امور میں تصرف کا حق نہیں ہے اسی لئے توحید درحاکمیت، توحید درتشریع اور توحید در اطاعت وغیرہ یہ سب توحید در تدبر کی شاخیں شمار ہوتی ہیں جن کا ذکر سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۶، ۸۰۔ مائدہ کی آیت نمبر ۴۴، سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۵۵ اور سورۂ انبیاء کی آیت نمبر ۲۸ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

❁ ۵۔ توحید درعبادت: توحید کی اس قسم میں بھی تمام آسمانی شریعتیں مشترک ہیں اور ایک معنی کے اعتبار سے تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد اسی اصل کو یاد دلانا تھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ''**و لقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا اللّٰہ و اجتنبوا الطاغوت**'' (نحل: ۱۶/۳۶) ہم نے ہر امت کے درمیان ایک رسول بھیجا تا کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ خدا کی عبادت کرو اور طاغوت کی پرستش سے دوری اختیار کرو''۔

سارے مسلمان نماز میں توحید عبادی کی گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں: ''**ایاک نعبد**'' ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں (فاتحہ ۱/۵) البتہ توجہ رہے کہ عبادت اور ''تکریم'' میں فرق ہے

پس والدین و بزرگان دین اور اولیائے الٰہی کی تکریم، عبادت نہیں کہلاتی ہے جس پرستش سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی موجود کے سامنے خضوع کرے اس عقیدہ کے ساتھ کہ وہ مستقل طور پر جہان یا انسان یا ان دونوں کے کچھ حصوں کی سرنوشت میں اختیار رکھتا ہے اور دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے: وہ رب اور مالک جہان و انسان ہے لیکن اگر کسی موجود و مخلوق کے سامنے اس لئے خضوع کیا جائے کہ وہ خدا کا صالح بندہ، صاحب فضیلت و کرامت یا انسان کے سلسلہ میں نیکی کا منشا ہے تو ایسا عمل صرف تعظیم و تکریم کہلائے گا عبادت نہیں کہلائے گا پس حضرات معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی مقدس ضریحوں کو بوسے دینا یا حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت و بعثت کے دن خوشی کا اظہار کرنا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے اور ایسا کرنا قطعی طور پر ان کے بارے میں ربوبیت کا عقیدہ نہیں ہوتا ہے۔ (جعفر سبحانی، دوسرا حصہ، الٰہیات، جلد ۱/ص ۲، منشور عقائد امامیہ، ص ۳۸/و ۵۲)

فلسفہ اور عرفان میں توحید

فلسفہ اور عرفان اسلامی میں توحید کے موضوع پر بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے اگر چہ توحید کے بارے میں ان دونوں علوم میں سے ہر ایک میں الگ الگ بحث کی جاسکتی ہے لیکن اختصار کے پیش نظر اور فلسفہ و عرفان نظری میں قرابت کی بنا پر ہم فلسفیوں اور عارفوں کے چند نظریات پر اکتفاء کر رہے ہیں۔

فلسفی و عرفانی اصطلاح میں توحید، تفرید وجود محض کا نام ہے۔ (رشید الدین: ص ۶۱/ بنا بر نقل ڈاکٹر سید جعفر سماوی، ج ۱/ص ۶۰۲) اسی بنیاد پر منصور کے بقول توحید میں پہلا قدم فنائے تفرید ہے۔

ہجویری کہتا ہے: حقیقت توحید خدا کی یگانگی پر حکم کرنا ہے چوں کہ خدا ایک ہے لہٰذا اپنی

ذات وصفات میں غیر منقسم ہے اور اسی طرح اپنے افعال میں بے شریک و بے بدیل ہے، موحد لوگ اسے اسی صفت سے متصف جانتے ہیں اور خدا کی وحدانیت کا علم رکھنے کو توحید کہتے ہیں۔

توحید کی تین (۳) قسمیں ہیں: ایک یہ کہ حق کو حق کا علم ہونا یعنی اسے اپنی وحدانیت کا علم ہونا، دوسرے یہ کہ مخلوق کو توحید حق کا علم یا مخلوق کی جانب اور اس کے دل کے اندر توحید کا ہونا اور تیسرے یہ کہ مخلوق کو حق کا علم ہونا یعنی مخلوق کو خدا کی وحدانیت کا علم ہونا، پس جب بندہ حق کو پہچان لیتا ہے تو اس کی وحدانیت کا حکم کر سکتا ہے۔ (کشف المحجوب ص/۳۶۷، بنابر نقل سجادی: ص/۶۰۲۔۶۰۳)

بعض اہل حکمت اور ذوق کے نزدیک توحید کے چار (۴) مراتب ہیں: اول: توحید ایمانی، دوم: توحید عملی، سوم: توحید حالی، چہارم: توحید الٰہی، ان چار مراتب کی شرح و تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:

الف۔ توحید ایمانی

یہ ہے کہ بندہ تفرد و صفت الٰہی پر ایمان رکھتا ہے اور معبودیت حق توحید استحقاقی کی تصدیق آیات و اخبار کے ذریعہ کرتا ہے اور یہ تصدیق مجرد و اعتقاد صدق خبر کا نتیجہ ہوتا ہے.

ب ۔ توحید علمی

یہ علم باطن سے مستفاد ہوتی ہے جسے علم یقین کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بندہ تصوف کی ابتدائی راہ میں یقینی طور پر یہ جانتا ہے کہ موجود حقیقی و مؤثر مطلق، ذات خدا ہے اور وہ علم کے ذریعہ خدا کی ذات وصفات میں محو ہو جاتا ہے اور ہر ذات کو اس کے نور کی فرع جانتا ہے تو حید کا یہ مرتبہ توحید متصوفہ کا ہے۔

ج ۔ توحید حالی

یہ ہے کہ حال توحید وصف لازم ذات خدا کی طرف متوجہ ہو اور وجود کے تمام اندھیرے اور

توحید کی تابش کے غلبہ میں گم ہوجائیں اور علم توحید کا اس کے نورانی حال میں جلوہ گر و مندرج ہوجائے اور موحد، جمال حق کا مشاہدہ کر کے اس طرح مستغرق عین جمع ہوجائے کہ واحد کی ذات و صفات کے علاوہ کچھ اس کی نظر شہود میں نہ آئے اور وہ اس طرح غرق جمع ہوجائے کہ جب وہ گریہ کرے تو آسمان بھی گریہ کرنے لگے۔ عطارؔ کہتے ہیں:

گر تو خلوت خانۂ توحید را موم شوی　　تاج عالم گردی و فخر بنی آدم شوی

سایہ ائے شوتا اگر خورشید گردد آشکار　　تو چو سایہ محو خورشید آئی و محرم شوی

اگر تم خلوت خانۂ توحید کے محرم بن جاؤ تو دنیا کا تاج بن جاؤ گے اور بنی آدم کے لئے باعث فخر بن جاؤ گے۔

تم سایہ بن جاؤ تا کہ اگر سورج نکل آئے تو تم سایہ کی طرح سورج میں فنا ہوجاؤ اور اس کے محرم بن جاؤ۔

اس توحید کا منشأ، مشاہدہ ہے اور توحید علمی کا منشا، نور مراقبت (خود اپنی نگرانی) ہے اس توحید کے ذریعہ بہت سے عادات و رسوم ختم ہوجاتے ہیں۔

د۔ توحید الٰہی

یہ ہے کہ حق سبحانہ ازل سے اپنی ذات کے ذریعہ نہ کہ دوسرے کی توحید کے ذریعہ ہمیشہ وحدت وحدانیت و فردانیت سے موصوف تھا اور اس وقت بھی اپنی ازلی وحدانیت و فردی حیثیت پر باقی ہے اور ہمیشہ اسی صفت پر باقی رہے گا اور یہ توحید ہی ہے جو نقصان و کمی کے عیب سے پاک ہے اور یہ توحید کا آخری مرتبہ ہے جو بحر وحدت میں کامل و متوسط لوگوں کا مرتبہ ہے اس درجہ و مرتبہ پر پہنچ کر سالک، ذات و صفات کبریائی میں محو ہوجاتا ہے اور رسوم و عادات سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے، اس کی زبان حال، گفتار کی جانشین بن جاتی ہے اور پھر اس کے اندر کوئی جان ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ اسے لباس کی ضرورت ہو کہ وہ لباس کو چاک کرے اور تن سے آزاد ہو، تمام اسباب درمیان سے اٹھ

جاتے ہیں اور وہ بادۂ وحدت سے سرمست ہوجاتا ہے۔ (مصباح الھدایہ: ص۱۴،۱۴، مقدمہ نفحات الانس: ص۱۲۹ بنابر نقل سجادی، ص۶۰۳،۶۰۴)

توحید شہودی ایک دوسری عرفانی اصطلاح ہے اس کے لئے عیانی و وجدانی اور ذوقی تین (۳) مراتب ذکر کئے گئے ہیں:

پہلا مرتبہ :

یہ ہے کہ حضرت حق افعالی تجلی کے ذریعہ سالک پر متجلی ہوتا ہے اور سالک تمام افعال واشیاء کو افعال حق میں پاتا ہے کسی مرتبہ میں حق کے علاوہ کسی چیز کو فاعل نہیں سمجھتا اور اس کے علاوہ کسی کو موثر نہیں جانتا اس مقام کو ''محو'' کہتے ہیں۔

دوسرا مرتبہ :

یہ ہے کہ حضرت حق صفاتی تجلی کے ذریعہ سالک پر متجلی ہوتا ہے اور سالک تمام اشیاء کے صفات، حق میں فانی پاتا ہے اور صفات اشیاء کو صفات حق سمجھتا ہے اور وہ حق کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے مطلق طور پر کوئی صفت نہیں دیکھتا وہ تمام اشیاء کو صفات الٰہی کا مظہر سمجھتا ہے اس مقام کو ''طمس'' کہتے ہیں۔

تیسرا مرتبہ:

یہ ہے کہ حضرت حق ذاتی تجلی کے ذریعہ اس پر متجلی ہوتا ہے اور سالک تمام اشیاء کی ذات کو تجلی ذات خدا کے پرتو میں فانی پاتا ہے تعیناتِ عدمی و وجودی، توحید ذاتی میں فنا ہوکر رفع ہوجاتے ہیں اور وہ حق کے علاوہ کسی چیز کو موجود نہیں دیکھتا اور نہیں جانتا۔ وہ وجود کو حق جانتا ہے اور وجود واجب کے علاوہ دوسرے موجود کو نہیں دیکھتا اس سالک کو ''محق'' کہتے ہیں جو سالک اس مقام پر فائز ہوتا ہے وہ تمام اشیاء وصفات اور افعال کو ذات حق میں گم جانتا ہے۔ (شرح گلشن راز: ص۲۶۸، گزشتہ ناقل

کے مطابق:ص ۶۰۵)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بزرگ حکماء اور عرفاء توحید کے چند مراتب کے قائل ہیں عام لوگ ان مراتب پر فائز نہیں ہو سکتے اہل حکمت و معرفت کے علاوہ دوسروں کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔

نتیجہ:

توحید کے مسئلہ میں سرسری طور پر جو کلامی و عرفانی مذہب کے نظریات پیش کئے گئے ان سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

الف۔ ہر فرقہ و گروہ کے مسلمان کے لئے توحید کا مسئلہ بہت اہم ہے انھوں نے اسے تمام اعتقادی مباحث پر مقدم کیا ہے۔

ب۔ توحید کی جو توضیح و تفسیر بیان کی گئی ان سب میں ایک بنیادی مقصد موجود ہے وہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتحاد و اتفاق ہے کہ ذات اقدس الٰہی ہر قسم کے نقص، ضرورت اور شریک سے پاک ہے نیز یہ کہ اس کے علاوہ کسی کا وجود مستقل نہیں ہے جو اس کا حریف و مدمقابل بن سکے۔

ج ۔ علم کلام کے تمام مذاہب اور سارے فرقے توحید اعتقادی کی تاکید کرتے ہیں اور انھوں نے اس راہ میں بڑی کوششیں کی ہیں تا کہ فکری انحراف اور افراط و تفریط سے نجات پیدا کر سکیں۔

ھ۔ بعض گزشتہ آسمانی ادیان کے پیروکاروں کے تجربے بتاتے ہیں کہ لوگ بڑی سادگی کے ساتھ توحید کے سلسلہ میں تحریف کر دیتے ہیں اسی لئے اصلی صورت میں توحید کا قبول کرنا ایک اعتقادی اصل ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور علمائے دین کا یہ فرض ہے کہ توحید کی تفسیر و توجیہ ایسی زبان میں کریں جو ہر ایک کے لئے قابل فہم ہوتا کہ لوگ فکری کجروی و انحراف سے بچ سکیں۔

۷۔اسلامی مذاہب میں ''توحید'' کی کتب شناسی

توحید کے سلسلہ میں کتب شناسی کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے درمیان توحید کے سلسلہ میں اشتراک پایا جاتا ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ تمام اسلامی مذاہب کے سارے علماء کی یہ روش رہی ہے کہ انھوں نے اس اہم اعتقادی اصل کی تفسیر وتدوین میں اہتمام کیا ہے تمام کلامی مذاہب نے صحیح طریقہ سے توحید کو بیان کرنے، روایات کو جمع کرنے ان کی تقسیم بندی کرنے اور اپنے نظریات کو ظاہر کرنے میں بڑی جدوجہد کی ہے، اس حصہ میں فریقین نے توحید کے موضوع پر جو اہم کتابیں لکھی ہیں ان کا تعارف کرایا جارہا ہے:

الف: ۱۔ التوحید: کتاب التوحید، تالیف شیخ صدوق (محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی) متوفی ۳۸۱ھ یہ کتاب، توحید صدوق یا توحید ابن بابویہ کے نام سے مشہور ہے، کتاب کا موضوع حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول وہ روایات ہیں جو توحید، معرفت الٰہی، صفات، اسماء وافعال الٰہی پر مشتمل ہیں اور علم کلام کے متعلق دوسری اہم بحثیں بھی ہیں اس میں ۵۸۳/احادیث ہیں جنھیں مؤلف نے ۶۷/ابواب میں تنظیم کیا ہے، کتاب توحید ہمیشہ شیعہ علماء و فقہاء کی توجہ کا مرکز بنی رہی اور شیعوں کے بہت معتبر روائی اصول میں شمار ہوتی ہے۔

شیخ صدوق اس کتاب کی تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں: جو چیز اس کتاب کے لکھنے کا سبب بنی وہ یہ تھی کہ میں نے دیکھا کہ بعض مخالفین، شیعہ علماء کی طرف تشبیہ وجبر کی نسبت دیتے ہیں ان کی دلیل یہ تھی کہ وہ لوگ غلط طور پر معانی کو بیان کرتے تھے اور اس طرح ہمارے مذہب کی صورت کو مسخ کرکے پیش کرتے تھے میں نے بارگاہ الٰہی میں قصد قربت کے ساتھ اس کتاب کو لکھ کر توحید کو بیان کیا اور تشبیہ وجبر کی نفی کی ہے۔

اس کی متعدد شرحیں اور اس پر کئی تعلیقات ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

۔ شرح قاضی محمد بن سعید قمی، شاگرد فیض کاشانی ۱۰۹۹ھ میں یہ کتاب لکھی گئی۔

۔ شرح امیر بن محمد علی نائب الصدارہ۔

۔ شرح فارسی مولا محمد باقر سبزواری متوفی ۱۰۹۰ھ۔

الف: ۲۔ تمہید الاصول فی علم الکلام یہ کتاب شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ کی تالیف ہے، کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ توحید، اثبات صفات خدا (منجملہ عدل الٰہی) کے بارے میں ہے اس کا فارسی ترجمہ انتشارات انجمن اسلامی حکمت وفلسفہ ایران کی جانب سے ۱۳۵۸ھ ش میں شائع ہوا۔

الف: ۳۔ تجرید الاعتقاد: تالیف محمد بن محمد حسن طوسی معروف بہ خواجہ نصیر الدین طوسی متوفی ۶۷۱ھ اب تک لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود علم کلام کے فن میں بہت اہمیت رکھتی ہے تجرید الاعتقاد چھ (۶) مقاصد پر مشتمل ہے اور اس کا تیسرا مقصد، اثبات صانع (خدا) کے بارے میں ہے جس میں تین فصلیں ہیں: ۱۔ وجود خدا کے بارے میں: ۲۔ صفات خدا کے بارے میں ۳۔ افعال خدا کے بارے میں ان میں سے ہر فصل میں کئی کئی مسئلے ہیں اور ہر ایک میں جزئی موضوعات ہیں بعض نامور شیعہ علماء منجملہ علامہ حلیؒ اور اہل سنت کے بزرگ علماء من جملہ ملا علی قوشجی نے بھی اس کتاب کی شرح لکھی ہے یہ دونوں شرحیں جلال الدین دوانی اور سید صدر الدین دشتکلی کے حواشی کے ساتھ سالوں سے شیعہ اور سنی مدرسوں میں درسی کتاب کی صورت میں پڑھائی جارہی ہیں اور محققین ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ اب تک اس کتاب کی ساٹھ (۶۰) سے زیادہ شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ (مقدمہ شرح تجرید: ص ۷)

الف: ٤۔ شرح باب حادی عشر: تالیف مقداد بن عبداللہ سیوری متوفی ۸۲۸ھ یہ کتاب شیعہ عقائد کے اصول کے بارے میں ہے۔ یہ کتاب منہاج الصلاح فی مختصر المصباح کے باب حادی عشر کی شرح ہے جس کا ضمیمہ علامہ حلی کی جانب سے ہے بہت طولانی عرصہ سے دینی درس گاہوں کے نصاب میں شامل ہے، پہلی فصل توحید، دوسری صفات ثبوتیہ، تیسری صفات سلبیہ اور چوتھی فصل عدل الٰہی کے بارے میں ہے۔

الف: ۵۔ توحید مفضل: اس کتاب کو ابو محمد مفضل بن عمر جعفی کوفی نے جمع و مرتب کیا ہے۔ وہ بہت مشہور تھے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے صحابی و شاگرد تھے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کتاب کے مطالب مفضل کو املاء فرمائے اور املاء کی مدت صبح سے ظہر تک چار دن تک چار نشست تھی۔

مفضل نے اس کی تدوین کے بارے میں بتایا ہے: ایک دن عصر کے وقت میں مسجد نبوی کے اندر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا آنحضرتؐ کے مرتبہ و درجہ کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا اسی دوران یکا یک ابن ابوالعوجاء اور اس کے ساتھی داخل ہوئے۔ وہ لوگ ایک کنارے بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے انھوں نے کہا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک فلسفی انسان تھے جنھوں نے ہوشیاری سے اپنے نام و نشان کو دنیا میں زندہ و باقی رکھا نیز انھوں نے کہا: اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے ساری چیزیں خود بخود پیدا ہوگئی ہیں یہ دنیا ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ باقی رہے گی۔ میں اپنے غصہ پر قابو نہ پا سکا میں نے ڈانٹ کر ان لوگوں سے کہا: اے دشمنان خدا! کیا تم لوگ کافر ہو گئے ہو؟! انھوں نے میرے جواب میں کہا: تم جعفر بن محمد علیہما السلام کے صحابی ہو (ایسی گفتگو کیوں کرتے ہو؟ کیوں کہ) وہ ہم سے اس طرح بات نہیں کرتے ہیں۔ میں وہاں سے نکلا پھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا امامؑ سے یہ ماجرا بیان کیا تو امامؑ نے فرمایا: کل صبح کے وقت میرے پاس کاغذ اور قلم لے کر آجاؤ تاکہ میں تم سے دنیا کی خلقت اور اس کی حکمت کو بیان کروں۔ میں دوسرے دن امامؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اس وقت امامؑ نے اس کتاب کے مطالب مجھے لکھوائے۔ (محمد رضا ضمیری: ص/۲۶۷۔۲۶۸)

الف: ٦ ۔ الابحاث المفيدة في تحصيل العقيدة: تالیف علامہ حلی متوفی ۷۲۶ھ اس رسالہ میں آٹھ فصلیں ہیں جو علم کلام کے عمدہ مباحث پر مشتمل ہیں اس کی چوتھی فصل میں سولہ مباحث ہیں جن میں اثبات واجب الوجود اور خدا کے صفات ثبوتیہ و سلبیہ کے متعلق بحث ہے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ ملی میں موجود ہے جس کا نمبر ۱۹۴۶ ہے اور ادھر آخر میں مجلّہ تخصصی کلام اسلامی

(شمارہ مسلسل ۶) میں شائع ہوا ہے۔

الف:۷۔ مبدا و معاد: تالیف ملا صدرا شیرازی (۹۷۹۔۱۰۵۰ھ) اس کا فارسی ترجمہ ۱۲۴۲ھ میں سید احمد بن محمد حسینی اردکانی کے ذریعہ انجام پایا ہے یہ کتاب ملا صدرا کی اسفار کے بعد ان کی سب سے بڑی کتاب ہے اور دو فن پر مشتمل ہے: اول ربوبیات: یہ اقسام وجود و ماہیت، معرفت خدا، اس کے صفات و افعال پر مشتمل ہے، دوم: معرفت نفس، قیامت و نبوت پر مشتمل ہے، ربوبیات کا حصہ تین مقالوں میں آیا ہے: پہلے مقالہ میں بارہ فصلیں ہیں اور دوسرے مقالہ (موضوع صفات واجب تعالیٰ) میں بھی بارہ فصلیں ہیں اور تیسرے مقالہ (موضوع افعال باری تعالیٰ) میں اٹھارہ فصلیں ہیں۔ پہلے مقالہ کا موضوع اس طرح ہے: مبدائے وجود کی طرف اشارہ اور اس بات کی طرف اشارہ کہ وہ کون سا وجود ہے جو مبدأ اول سے اختصاص رکھتا ہے اور یہ کہ حق سبحانہ واحد ہے اس میں کوئی کثرت نہیں ہے نیز وہ بسیط ہے جس میں کوئی ترکیب نہیں پائی جاتی ہے یعنی اس کی وحدت انتہائے وحدت ہے اور اس کی بساطت انتہائے بساطت ہے اس کتاب کو مرکز نشر دانشگاہ ہی نے ۱۳۶۲ھ ش میں عبداللہ نورانی کی کوشش سے شائع کیا ہے جو ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

الف:۸۔ گوہر مراد: حکیم ملا عبدالرزاق فیاض لاہیجی (...۔۱۰۷۲ھ) یہ کتاب فارسی میں ہے اور فلسفی و عرفانی مشرب پر لکھی گئی ہے۔ یہ تین مقالوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا مقالہ علم خود شناسی کے بارے میں دوسرا علم خدا شناسی کے بارے میں اور تیسرا فرمان خدا کی شناخت کے بارے میں ہے، علم خدا شناسی تین ابواب پر مشتمل ہے پہلا باب: اثبات واجب الوجود، توحید و یگانگی خدا کے بارے میں ہے (اس میں سات فصلیں ہیں) دوسرا باب صفات واجب الوجود کے بارے میں ہے (اس میں چھ فصلیں ہیں تیسرا باب افعال واجب الوجود کے بارے میں ہے (اس میں پندرہ فصلیں ہیں)۔

یہ کتاب بہار ۱۳۷۲ھ ش میں حکیم لاہیجی کے عالمی اجتماع کی مناسبت سے استاد زین العابدین قربانی لاہیجی کی تصحیح و تعلیق اور مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئی۔

الف:۹۔ شرح الاسماء۔تالیف حکیم الٰہی ملاہادی سبزواری (۱۲۱۲۔۱۲۸۹ھ) اس کتاب کا دوسرا نام ''شرح دعاء الجوشن الکبیر'' ہے اس میں تفسیر روائی، فلسفی وعرفانی ذوق کے ساتھ اسماء کی شرح کے سلسلہ میں توحیدی معارف کو بیان کیا گیا ہے وہ توحیدی عناوین جو باری تعالی کے اسماء و صفات کی شرح میں بیان کئے گئے ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے:

'' التوحید اسقاط الا ضافات ، توحید الآثار توحید الافعال ، توحید الایجادی ، توحید الخاصی ، توحید الخاص الخاصّی ، توحید الذات ، توحید الصفات ، توحید العامی ، توحید الفعل ، توحید الوجودی''۔

یہ کتاب ڈاکٹر نجف قلی حبیبی کی تحقیق کے ساتھ مؤسسہ انتشارات وچاپ دانشگاہ تہران کی جانب سے فروردین ۱۳۷۲ھ ش میں شائع ہوئی اور ۹۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

الف:۱۰۔ رسائل التوحید یہ: یہ مفسر گرانقدر استاد علامہ سید محمد حسین طباطبائی کی تالیف ہے۔کتاب سات رسائل پر مشتمل ہے جن میں سے تین رسالے توحید اور اسمائے الٰہی کے بارے میں ہیں:۱۔رسالۃ فی التوحید (یہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے نیز جو مقالہ رسالۃ التوحید سے ملحق ہوا ہے اس میں تین فصلیں ہیں) ۲۔رسالۃ فی اسماء اللہ تعالیٰ (یہ چار فصلوں پر مشتمل ہے) ۳۔کتاب توحید کا تیسرا رسالہ دس فصلوں پر مشتمل ہے یہ کتاب توحید کے موضوع پر فلسفہ وعرفان کی ان اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے جو ہمارے زمانہ میں مدون ہوئی ہیں، استاد سید محمد حسین طباطبائی علمی وفکری فاؤنڈیشن کی جانب سے نمائشگاہ ونشر کتاب قم کے ذریعہ خرداد ۱۳۶۵ھ ش میں شائع ہوئی اور ۳۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

الف:۷۔ عقائد الامامیہ: یہ شیخ محمد رضا مظفر متوفی ۱۳۹۲ھ کی تالیف ہے اس کتاب کی پہلی فصل الٰہیات کے بارے میں ہے بعض علمی حلقوں میں ایک درسی کتاب کے عنوان سے رائج ہے۔

الف:۸ ۔ عدل الٰہی: تالیف شہید مرتضٰی مطہری ۱۳۵۸ش ۔ یہ کتاب عدل الٰہی سے مربوط شبہات ومسائل پر مشتمل ہے۔

الف:۹۔ محاضرات فی الالٰہیات: تالیف استاد جعفر سبحانی (معاصر) اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا پہلی جلد میں اثبات ذات حق تعالیٰ اور اس کے صفات توحید سے متعلق بحث ہے یہ کتاب اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ مفصل ہے اس میں آیات قرآن وروایات پیغمبر اکرمؐ نیز عقلی دلیلوں کے ذریعہ توحید پر وارد شبہات واعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

ب: مذہب اہل سنت

ب:۱۔ الفقہ الاکبر: تالیف امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی متوفی ۱۵۰ھ یہ علم کلام و عقائد کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے جو علم کلام کے بعض مسائل جیسے ایمان، معجزہ، کرامات اور قدر وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اہل سنت کے بہت سے بزرگ عالموں نے اس کتاب پر خاص توجہ دی ہے اور انھوں نے اس کی متعدد شرحیں اور تعلیقات لکھے ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: شرح علی قاری، شرح ابولیث سمرقندی، شرح عطا بن علی جوزجانی۔

ب:۲۔ الابانۃ عن اصول الدیانۃ: تالیف امام علی بن اسماعیل ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ وہ مذہب اشاعرہ کے بانی تھے۔ اس کتاب میں انھوں نے علم توحید کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے نظریات بیان کئے ہیں اور جہمیہ، حشویہ، معتزلہ، قدریہ وغیرہ کے عقائد پر اعتراضات وارد کئے ہیں انھوں نے ذات وصفات الٰہی کے بارے میں اہل سنت کے عقائد کو بیان کیا ہے اور اپنے مدعا کے اثبات میں قرآن وسنت سے دلیلیں پیش کی ہیں نیز عقلی دلائل سے ان کی تائید کی ہے پھر مخالفین کے نظریات کو بیان کر کے ان کا جواب بھی دیا ہے۔

ب:۳۔ کتاب التوحید واثبات صفات الرب: تالیف محمد بن اسحاق بن خزیمہ (چوتھی

صدی کے عالم) یہ حنبلیوں کی ایک معتبر کتاب شمار ہوتی ہے جس میں اہل حدیث کی روش پر اور ظواہر روایات سے استناد کرتے ہوئے توحید وصفات الٰہی کو بیان کیا گیا ہے، ظواہر پر عمل کرنے پر اس قدر زور دیا ہے کہ فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) جو خود اشعری مذہب کے پابند تھے انھوں نے کتاب ''توحید ابن خزیمہ'' کو ''کتاب الشرک'' کے نام سے یاد کیا اور بتایا ہے کہ اس کے مؤلف مضطرب الکلام، قلیل الفہم اور ناقص العقل ہیں۔ (دیکھئے التفسیر الکبیر: ۲۷/۱۵۰)

ب:٤۔ التوحید: تالیف ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی متوفی ۳۳۳ھ یہ کتاب ماتریدیہ علم کلام کا سب سے پہلا منبع و ماخذ شمار ہوتی ہے اور ہمیشہ مکتب ماتریدیہ کے اساتذہ و تلامیذ کا مرکز بنی رہی اس کو ڈاکٹر فتح اللہ خلیف نے مقدمہ و تحقیق کے ساتھ انتشارات دار المشرق بیروت سے ۱۳۹۰ھ میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ۴۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

ب:٥۔ شرح الاصول الخمسہ: قاضی القضاۃ ابو حسین عبد الجبار بن احمد معتزلی متوفی ۴۱۵ھ یہ کتاب مکتب معتزلہ کے مطابق علم کلام و اصول دین میں ہے۔ مولف نے شروع میں اصول پنجگانہ (توحید، عدل، وعد و وعید، منزلۃ بین المنزلتین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر) کو اختصار کے ساتھ بیان کر کے پھر ہر ایک کی شرح و تفصیل کو بیان کیا ہے اور خاتمہ میں توحید سے متعلق ایک خصوصی فصل بیان کی ہے۔

ب:٦۔ اصول الدین: ابو منصور عبد القادر بن طاہر تمیمی بغدادی متوفی ۴۲۹ھ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب علم کلام کے موضوع پر اور اہل سنت والجماعت کے اعتقادی مسائل مثلاً توحید، عدل اور وعد و وعید پر مشتمل ہے اس کے علاوہ دوسرے مذاہب کے اقوال و نظریات کو بھی اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔

ب:٧۔ الشامل فی اصول الدین: یہ امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف جوینی متوفی ۴۷۸ھ کی تالیف ہے ظاہراً یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل تھی صرف پہلی جلد دسترس میں ہے

اس کے عناوین درج ذیل ہیں:

کتاب النظر، کتاب التوحید، کتاب العلل۔ ابن امیر الحاج نے آٹھویں صدی میں اس کتاب کی تلخیص کی اور اس کا نام الکامل فی اختصار الشامل رکھا یہ کتاب ''الشامل'' جرمن مستشرق ''ہلموٹ کلو'' کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۸۱ھ میں شائع ہوئی۔

ب:۸۔ عقائد النسفیہ: یہ شیخ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد نسفی متوفی ۵۳۷ھ کی تالیف ہے۔ یہ علم توحید اور عقائد اسلامی کے بارے میں ہے اور بہت سے علماء کی توجہ وعنایت کا مرکز رہی ہے۔ یہ کتاب اہل سنت کے بہت سے حوزہ ہائے علمیہ میں خصوصاً الازہر یونیورسٹی میں درسی کتابوں میں شامل ہے۔ اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں اور اس پر بہت سے حواشی لگائے گئے۔ ان میں سب سے اہم اور مشہور علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفیٰ ۷۹۱ھ کی شرح ہے۔

ب:۹۔ تبیین کذب المفتری: یہ حافظ ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عساکر متوفیٰ ۵۷۱ھ کی تالیف ہے یہ کتاب مذہب اشاعرہ کی بنیاد پر توحید وصفات خدا کے بارے میں ہے اور اہل سنت نے اس کتاب کو بہت اہمیت دی ہے کیوں کہ اس میں علم کلام کے علاوہ مشہور اشعری علماء کے حالات زندگی بھی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے بارے میں کہا گیا ہے: ''**کل سنی لا یکون عندہ کتاب التبیین لابن عساکر فلیس من امر نفسہ علیٰ بصیرۃ** ''جس سنی کے پاس ابن عساکر کی کتاب تبیین نہ ہو وہ اپنے سلسلہ میں بابصیرت نہیں ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳/۳۵۱)

شیخ محمد زاہد کوثری نے مذکورہ کتاب پر تحقیق کی اور اس پر حواشی لگائے اور شیخ استاد حسام الدین القدسی کی کوشش سے قاہرہ میں شائع ہوئی۔

ب:۱۰۔ طوالع الانوار: یہ قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ کی

تالیف ہے۔ یہ کتاب علم کلام کے موضوع پر ہے۔اس میں توحیداوراصول دین کے بارے میں بحث کی گئی ہے چوں کہ اس کا متن مختصراور دقیق ہے لہٰذا علم کلام میں بہترین کتاب شمار ہوتی ہے۔

اس کتاب کی مشہور شرحیں اوراس کے حواشی حسب ذیل ہیں:

شرح علامہ محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی (م ۷۴۹ھ)

حاشیہ شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ)

شرح قاضی عبیداللہ بن محمد معروف بہ عبری (م ۷۴۳ھ)

مذکورہ کتاب اصفہانی کی شرح کے ساتھ ۱۲۲۳ھ میں قاہرہ میں شائع ہوئی۔

ب:۱۱۔ المواقف: یہ عبدالرحمٰن بن احمد بن عضدالدین ایجی متوفی ۷۵۹ھ کی تالیف ہے یہ کتاب علم کلام میں ہے۔تالیف کے وقت سے اب تک علماء کی توجہ وعنایت کا مرکز بنی ہوئی ہے اورحوزہ ہائے علمیہ میں درسی کتابوں میں شامل ہے۔

سید شریف علی بن محمد جرجانی (م ۸۱۶ھ) اورشمس الدین محمد بن یوسف کرمانی (م ۷۸۶ھ) نے الگ الگ اس کی شرحیں لکھی ہیں۔

ب:۱۲۔ شرح للطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ: یہ قاضی علی بن علی بن محمد بن ابوالعز متوفی ۷۹۲ھ کی تالیف ہے۔کتاب کا موضوع عقائد،علم اصول دین وتوحید ہے۔درحقیقت شرح کتاب العقیدۃ السّلفیہ حافظ ابوجعفراحمد بن محمد (م ۳۲۱ھ) کی تالیف ہے اس میں سلفی نظریات بیان کئے گئے ہیں اوران کی تائید بھی کی گئی ہے۔البتہ اس میں دوسرے مذاہب جیسے: معتزلہ وقدریہ کے افکار بھی بیان کئے گئے ہیں۔یہ کتاب شیخ احمد شاکر کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۷۳ھ کو مصر میں شائع ہوئی۔[۱]

۱۔کتابوں کا جو تعارف کرایا گیا ہے وہ محمد رضا ضمیری کی کتاب ''کتاب شناسی تفصیلی مذاہب اسلامی'' سے ماخوذ ہے مذکورہ کتاب مؤسسہ آموزشی پژوہشی مذاہب اسلامی کی جانب سے پائیز ۱۳۸۲ھ ش میں شائع ہوئی۔

منابع و مآخذ

۱ . قرآن کریم

۲ . مفردات راغب

۳ . تاج العروس

۴ . شرح الاصول الخمسه

۵ . اشعری ، الابانه

۶ . فرهنگ فرق اسلامی ، محمد جواد مشکور با مقدمه و توضیحات استاد کاظم مدیر شانه چی.

۷ . نهایة الاقدام

۸. محمد عبده ، رسالة التوحید

۹ . الابانه عن اصول الدیانه

۱۰ . کتاب التوحید

۱۱ . عمر النسفی ، العقائد النسفیه

۱۲ . سعد الدین التفتازانی، شرح العقائد النسفیه

۱۳ . علی ربانی گلپایگانی ، فرق و مذاهب کلامی

۱۴ . کشف الشبهات

۱۵ . ابن باز ، مجموعه فتاوی

۱۶ . العثیمین شرح کشف الشبهات

۱۷ . ابن تیمیه ، مجموعه فتاوی

۱۸ . محمد بن صالح العثیمین ، فتاوی العقیده

۱۹ . جعفر سبحانی ، العقیدة الاسلامیه ، بخش دوم

۲۰ . جعفر سبحانی ، الالهیات ج/ ۱ و ۲

۲۱ .جعفر سبحانی ، منشور عقاید امامیه

۲۲ . سید جعفر سجادی. فرهنگ معارف اسلامی ج/ ۱

۲۳ . شرح گلشن راز

۲۴ . مقدمه شرح تجرید

۲۵ . محمد رضا ضمیری ، کتاب شناسی تفصیلی مذاهب اسلامی

۲۶ . التفسیر الکبیر

۲۷ . طبقات الشافعیة الکبری ج/۳

شریعت صلح ورحمت

❁ سید مصطفیٰ میر محمدی (مفید یونیورسٹی کی علمی تحقیقاتی کمیٹی کے رکن)

❁ ترجمہ: نور محمد ثالثی

خلاصہ

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثہ کے بعد مغربی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اس تصور کو تقویت پہنچائی گئی کہ اسلام جنگ وتشدد کا دین ہے۔ پیش خدمت مقالہ پہلے تو قرآن وحدیث اور مسلمان فقہا دانشوروں کے اقوال وآراء کی روشنی میں دین اسلام کا صحیح تعارف پیش کرتا ہے کہ یہ دین صلح ورحمت کے اصولوں پر استوار ہے اور پھر اسلام ومسلمین کی غلط تصویر پیش کرنے میں مخالفین کے مقاصد اور اسباب وعلل کو بیان کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: جنگ وصلح، بین الاقوامی حقوق، اسلامی بین الاقوامی حقوق۔

تمہید

بعض مستشرقین اور اہل مغرب کا اسلام اور پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پرانے زمانے سے اب تک یہ الزام رہا ہے کہ اسلام تلوار اور جنگ وجدال کا دین ہے اور اپنے پیروکاروں کو غیروں کے مقابلہ میں شدت پسندی سے کام لینے کی دعوت دیتا ہے یہ تہمت اور الزام گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثہ کے بعد خاص طور سے مغربی ذرائع ابلاغ، رسائل ومجلّات اور افواہ پھیلانے والے مراکز اور سیاسی بیانات کی رونق بڑھانے والے ٹھکانوں پر شدت پا گیا اور اب تک یہ سلسلہ مغربی دنیا میں جاری وساری ہے اس سلسلہ میں بہت سے اجتماعات، کانفرنسیں مغرب اور یورپ میں نیز علمی نشستیں اور یونیورسٹی لیول پر جلسے منعقد ہوئے کہ اسلام، دین صلح ہے یا آئین جنگ؟ اس بحث کا سلسلہ اسکولوں میں کلاسوں تک پہنچ گیا اور مغربی ذرائع ابلاغ کی حمایت وطرفداری کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف وسیع پیمانے پر ثقافتی یلغار میں تبدیل ہو گیا۔ (نمونہ کے طور پر دیکھئے: عبداللطیف: بہ نقل از www.islamonline.net)[1]

اس موضوع پر تبصرہ اس لئے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ آج کل انواع واقسام کے ذرائع ابلاغ (ریڈیو، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ) اور بین الاقوامی نشریات ومجلّات بڑے وسیع پیمانے پر منتشر ہوتے ہیں اور روز بروز بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور ان ذرائع ابلاغ کے عالمی افکار پر یہاں تک کہ مسلمانوں کے اوپر تاثر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا چنانچہ اگر ہم ان ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اسلام و مسلمین کی مثبت یا منفی تصویر پیش کرنے اور اسلام و مسلمین اور سنت پیغمبرؐ کے درست یا غلط مفاہیم کی

۱۔ اس مقالے میں مقالہ نگار نے یوروپی معاشروں میں مسلمانوں کی اقلیت کے روز بروز بڑھنے کا خطرہ گوش زد کیا ہے اور خاص طور سے یورپ والوں کی شناخت کے بارے میں خطرات سے آگاہ کیا ہے۔

تعریف میں دخیل اثرات پر نظر ڈالیں تو ہمیں جو کچھ وہ اسلام کے سلسلہ میں کہتے ہیں ان کی تحقیقات کی سطح نیز اسلام و مسلمین کے اوپر کئے جانے والے اعتراضات وشبہات کے جوابات کی اہمیت کا اندازہ ہوجائے گا۔

دشمنان اسلام کی ثقافتی یلغار ہمیشہ سے موجود رہی ہے اور اب بھی جاری ہے لیکن تمام اسلامی فرقوں کے بیدار و ہوشیار علمائے اسلام بھی ان حملوں وتہمتوں کا دفاع اور اسلام کے حیات بخش آئین اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخشاں سیرت وسنت کی پاسداری وتحفظ میں مشغول ہیں اور انھوں نے عقل ومنطق اور اسلام کی عظیم منزلت سے مناسبت رکھنے والے جوابات دیئے ہیں۔ جدید مسائل کی تطبیق اور اسلام کے نظریات پیش کرنے میں شریعت کی اساس اور موضوع سے بھرپور آگاہی رکھنے والے مسلمان علماء کے نمایاں کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء اور مسلم دانشوروں کی جانب سے اسلام و مسلمین پر جنگ طلبی اور تشدد و دہشت گردی کی تہمت کا بنیادی جواب دینے کے لئے انھوں نے اس موضوع پر منطقی وعلمی زاویہ سے نظر ڈالی اور مبانی کے اعتبار سے وہ اس نظریہ پر تاکید کرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں اور بیگانوں کے درمیان تعلقات کی اصل وبنیاد مسالمت آمیز اور صلح پسندانہ ہے۔

اس نظریہ کی تقویت اور اس کے سیاسی، حقوقی ومعاشرتی زاویوں کو اسلام کی سیاسی فقہ کے اصول سے استفادہ کرتے ہوئے موجودہ بین الاقوامی زندگی کے واقعیات اور اسلامی معاشروں کی ضرورت سے ہم آہنگ کرکے دیکھا جاسکتا ہے اسی لئے اس مقالہ کے پہلے حصہ میں ہم اسلامی تعلیمات، سنت پیغمبرؐ اور بعض اسلامی دانشوروں کے نظریات کی روشنی میں اسلام کی صلح جوئی اور مسالمت آمیز تعلقات کی نشانیاں پیش کریں گے اور پھر مقالہ کے دوسرے حصہ میں اسلام پر لگائی جانے والی ناروا تہمت کہ اسلام، دین جنگ وجدال اور آئین شمشیر ہے، کے بارے میں مخالفین کے دعوں اور اسباب وعلل کو بیان کریں گے۔

الف: اسلام میں صلح ورحمت کی نشانیاں

۱)۔قرآن اور سنت نبویؐ

صلح ومصالحت اور رحم ومہربانی دین اسلام کے بنیادی اغراض ومقاصد میں شامل ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں اغراض ومقاصد کی ترویج کے لئے مبعوث کئے گئے تھے بیشک جس دین کی بنیاد رحم ومہربانی پر قائم ہے اس دین کا پیغامبر بھی پیامبر رحمت ہوگا ﴿**وما ارسلناک الا رحمة للعالمین**﴾ (سورۂ انبیاء/۱۰۷) ''ہم نے آپ کو عالمین کے لئے بس رحمت بنا کر بھیجا ہے'' آنحضرتؐ خود اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں: '' **و انا نبی الرحمة** '' (ترمذی،۱۴۱۲:۳۰۶) ''میں نبی رحمت ہوں'' اور '' **انما انا رحمة مهداة** '' (ابن کثیر۱۴۱۲:۳/۲۱۱) ''میں تو بس ہدیہ رحمت الٰہی ہوں''

''رحمت'' کا مطلب عربی زبان میں : عطوفت ، مہربانی اور شفقت ومروت ہوتا ہے (اصفہانی مادہ ''رحم'' اور الشامی ۱۴۱۴: ۷/۴۱) اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت یوں بیان کرتے ہیں: ''**وهو نبی : لیّن الخلقة ، کریم الطبیعة ، جمیل المعاشرة طلیق الوجه ، بسّام من غیر ضحک ، محزون من غیر عبوس شدید من غیر عنف** ''۔ (الشامی ۱۴۱۴) '' آپ نبی تھے بڑے نرم مزاج کریم الطبع ،خوش رو وبشاش ، متبسم مگر قہقہہ کے بغیر، غمگین مگر چہرہ پر ترشی لائے بغیر ،سخت مگر شدت پسندی کے بغیر'' ''**نبی الرحمة و امام الهدی** '' (الثعالبی ۱۴۱۸: ۱/۶۳) [۱] آپ نبی رحمت وامام رشد وہدایت تھے۔ فتح مکہ کے دن جب مسلمین وارد شہر مکہ ہوئے تو فتح کا ایک پرچم سعد بن عبادۃ انصاری کے ہاتھ میں تھا اور وہ آواز دے رہے تھے :

۱۔حجاج بن یوسف ثقفی نے سعید بن جبیر کو گرفتار کر کے آخر کار شہید کر ڈالا سعید کی شہادت سے پہلے حجاج نے کچھ سوال سعید سے کئے تھے جن میں ایک تھا کہ ''محمدؐ'' کے بارے میں تم کیا نظریہ رکھتے ہو؟ سعید نے اس طرح جواب دیا کہ ''**نبی الرحمة و امام الهدی** : آپ نبی رحمت وامام ہدایت تھے''

''الیوم یوم الملحمة... '' آج انتقام کا دن ہے۔ جونہی پیغمبر اسلامؐ کو پتہ چلا آپ نے سعد کی معزولی کا حکم صادر فرمادیا اور علم دوسرے شخص کے سپرد کردیا تا کہ وہ سعد کے نعرہ کے بجائے نعرہ لگائے کہ ''الیوم یوم المرحمة ...'' (الھندی:۵۱۳/۱۰) آج شفقت ومہربانی کا دن ہے۔ جب مشرکین مکہ کی جانب سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب پر ظلم وستم اور آزار و اذیت حد سے بڑھ گئے اور لوگوں میں صبر کا یارا نہ رہا تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی گئی کہ اس قوم پر نفرین کریں لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور جواب دیا کہ ''انّی لم ابعث لعانا و انما بعثت رحمة '' (ابن کثیر۱۴۱۲:۲۱۱/۳) مجھے نفرین ولعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے میں تو بس رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آنحضرتؐ کی سیرت، عفو وبخشش تھی۔ کعب بن زہیر جو اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام اور مسلمین پر طعنہ زنی کرتا تھا جس وقت اسے پتہ چلا کہ رسولؐ رحمت ومحبت کا پیکر ہیں تو آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مسلمان ہوگیا اور اپنے اس شعر کے ساتھ معذرت خواہی کرنے لگا:

نبئت ان رسول الله اوعدنی والعفو عند رسول اللّٰه مامول[1]

''مجھے خبر دی گئی ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے (قتل کردینے کی) دھمکی دے دی ہے جب کہ عفو وبخشش ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول رہی ہے''۔

آنحضرتؐ نے اپنے پیارے چچا کے قاتل ''وحشی'' کے بارے میں کہ جس نے امیر حمزہ کو جنگ احد میں مار ڈالا تھا صرف اتنا فرمایا تھا کہ ''میری نگاہوں سے دور چلے جاؤ کہ میں تمھیں نہ دیکھوں'' (العسقلانی:۲۸۴/۷) یہ چند نمونے بطور مثال ذکر ہوئے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ شریعت اسلام اور سنت نبوی، صلح ومصالحت اور رحم ومہربانی کی بنیاد پر قائم ہے اس کے علاوہ اسلام کی حیاتی تعلیمات، شرعی دلائل اور اسلام کے پاکیزہ نصوص سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام کا قانونی ودستوری نظام

۱۔ الحاکم النیسا پوری، ۱۴۰۶:۵۸۱/۳

صلح پر استوار ہے نہ کہ شدت پسندی پر۔قرآن واحادیث کے بہت سے نصوص مسالمت آمیز رفتار و کردار پر دلالت کرتے ہیں چند نمونے ملاحظہ ہوں:

❁ ۱۔ قرآن مجید عرب کے بدوؤں کو جو تند مزاج، جنگ جو، خونریز اور جھگڑالو طبیعت کے مالک تھے صلح کی دعوت دیتا ہے اور جنگ وجدال سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے ﴿**و ان جنحوا للسلم فاجنح لها و توكل على الله**﴾ (سورۂ انفال/۶۱) ''اور اگر صلح وآشتی کا دامن پھیلا دیں تو آپ بھی آشتی کا دامن پھیلا دیں اور اللہ پر بھروسہ کریں''۔اسلام، میدان جنگ میں بھی صلح وآشتی کا خواہاں ہے ﴿**ولا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مومنا**﴾ (سورہ نساء/۹۴) ''اور جو تمھارے سامنے صلح وآشتی کی خاطر ہتھیار ڈال دے تو اس سے یہ نہ کہنا کہ تم مومن نہیں ہو''۔فقہاء اسی آیت کریمہ کو مستند قرار دے کر فرماتے ہیں جب بھی کوئی مسلمان سے عین جنگ کے دوران صلح وآشتی کا اقدام کرے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کو مثبت جواب دیں اور اس سے جنگ کرنے سے باز رہیں (دیکھئے، قرطبی ۱۴۰۵: ۵/۳۳۶ اور الشوکانی: ۱/۵۰۱۱۴)

❁ ۲۔ اس وقت جب کہ قابیل نے اپنے بھائی کو مار ڈالنے کی دھمکی دی، ہابیل نے صلح طلب جواب دیا کہ جو ایک صلح طلب اور نیک انسان کی حکایت کرتا ہے ﴿**لئن بسطت الى يدك لتقتلنى ما انا بباسط يدى اليك لاقتلك انى اخاف الله رب العالمين**﴾ (سورہ مائدہ/۲۸) اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے میری جانب اپنا دست دراز کرو تو بھی میں تمھاری طرف اپنا ہاتھ تمھیں قتل کرنے لئے نہیں بڑھاؤں گا میں پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

❁ ۳۔ ''سلام'' اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے ﴿**هو الله الذى لا اله الا هو الملك القدوس السلام**﴾ (سورہ حشر/۲۳) ''وہ اللہ کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ بادشاہ بڑا پاکیزہ اور سلام ہے''۔

❁ ۴۔ قرآن مجید عالمی امن وآشتی کی بشارت دیتے ہوئے فرماتا ہے ﴿**يا ايها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان ...**﴾ (سورہ بقرہ/۲۸)

''اے ایمان والوسب کے سب صلح وآشتی (کے دائرہ) میں داخل ہو جاؤ اور دیکھو شیطان کے قدموں (وسوسوں اور فریب کاریوں) کی پیروی نہ کرو''۔ اسی طرح مسلمانوں کو صلح وامن اور سلامتی کا پابند بنانے کے لئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿**فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا**﴾ (سورہ نساء/۹۰) اور جب وہ ہاتھ کھینچ لیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمھاری طرف صلح وآشتی کا ہاتھ بڑھا دیں تو خدا نے ان کے اوپر تمھارے لئے کوئی راستہ نہیں قرار دیا ہے (یعنی اب تمھیں جنگ نہیں کرنا ہے) اس بنیاد پر صلح وآشتی پر دلالت کرنے والی آیتیں منسوخ نہیں ہوئی ہیں اور جنگ وجدال بس اسی وقت جائز ہے کہ جب صلح جوئی موجود نہ ہو (الزحیلی، ۱۹۹۷: ۹۴_۹۶)

دلچسپ بات یہ ہے کہ لفظ ''سلام'' اور اس کے دیگر مشتقات سو (۱۰۰) سے زیادہ آیتوں میں استعمال ہوئے ہیں جب کہ لفظ ''حرب یعنی جنگ'' اور اس کے دیگر مشتقات صرف چھ (۶) آیتوں میں دکھائی پڑتے ہیں۔[۱]

جس طرح قرآن مجید صلح وآشتی کے لئے بڑی اہمیت کا قائل ہے یوں ہی سنت رسولؐ اور آپ کے بعد کردار مسلمین میں بھی امن صلح کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی پہلی شخصیت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی صلح طلب ڈپلومیسی کی طرف پیش قدمی کی ہے اور اپنے زمانہ کی حکومتوں اور سلطنتوں سے مسالمت آمیز تعلقات قائم کرنے کی خاطر اپنے نمائندے بھیجے ہیں مصر، روم، حبشہ، اور فارس کے بادشاہوں کے پاس آنحضرتؐ نے اپنے نمائندوں کے ساتھ خط بھیجا تا کہ وہ اسلام سے آشنا ہوں اور اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے جن افراد کا انتخاب ہوا وہ بڑے شائستہ، نیک کردار معتبر اور ہوشیار و با اخلاق تھے اور جدید دین اور خصوصیات حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعارف کرانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے واقعہ نگاروں نے ان خطوط

دوسری آیات بھی موجود ہیں کہ جن میں لفظ ''جہاد'' اور ''قتال'' اور ان کے دیگر مشتقات آئے ہیں۔

اور مکالمات کو تفصیل سے بیان کیا ہے (دیکھئے: ابوالوفاء،۱۹۹۲: ۱۷۲۔۱۷۸) بعض مستشرقین کے دعوؤں کے برخلاف ان مکاتبات و مکالمات میں کسی ایک سے بھی یہ مطلب نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔

''اسلام''، ''سلم'' سلام اور سلامہ سے مشتق ہے، السلام علیکم اور علیکم السلام مسلمانوں کا روز مرہ کا درود وسلام ہے اور یہ شعار ان کے درمیان ہر جگہ چاہے وہ مسجد ہو یا یونیورسٹی کا رخانہ ہو یا کمپنی ہر جگہ رائج ہے۔ یہ درود وسلام بہترین اور خوبصورت درود وسلام ہے کیوں کہ اس کے اندر صلح و آشتی کا مفہوم مضمر ہے جب کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دیگر انبیاء کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے نام کے ساتھ علیہ السلام کا اضافہ کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ جملہ بہترین اور خوبصورت ترین دعا ہے (محمصانی ۱۹۸۲: ۵۰۔۵۴) مسلمین اپنی نمازوں کو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کی عبارت پر ختم کرتے ہیں اور اس جملہ کی روزانہ کئی مرتبہ تکرار کرتے ہیں۔ اسلام میں اس طرح کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے بھلا کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد جنگ و جدال اور شدت پسندی پر ہے؟!

بعض لوگوں کے خیالات کے برخلاف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگیں خود بہترین اور اہم ترین دلیل ہیں کہ صدر اسلام کی جنگوں میں صلح جوئی اور آشتی پسندی کے جذبات کارفرما تھے واقعہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں قیام کے دوران ہرگز فوجی دستہ تیار نہیں کیا اور جب مدینہ ہجرت فرمائی اور مسلمانوں کے اوپر جہاد واجب ہوا تو مشرکوں کے ساتھ جنگ کی ان سب کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگیں دفاعی تھیں نہ کہ تہاجمی۔ آداب حرب و جنگ کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد کے خلفاء کی سفارشات بخوبی گواہ ہیں کہ اسلام کا مقصد اختلافات کو زور بازو اور شدت پسندی سے حل کرنا نہیں ہے تاریخ میں منقول ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کوئی فوجی دستہ تیار کرتے تھے تو پہلے انھیں اپنے سامنے بیٹھا کر فرماتے تھے (... **ولا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا**

امـــرأة ولا تـغلوا و اصـلحوا و احـسنوا ان الله يحب الـمحسنين)(الحلی:۹/۶۳اور الشامی:۱۳۱۴: ۶/۷) ''کسی پیر فرتوت ، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا ، خیانت نہ کرنا ، صلح و مصالحت اور نیکی کرنا کہ اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے''۔ جس وقت پیغمبر اسلام ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو یمن کی جانب روانہ کیا تو فرمایا: **یـا عـلـی !لـئن یهدی الله علی یدیک رجلا خیر لک مما طلعت علیه الشمس** (الحاکم النیساپوری،۱۴۰۶: ۵۹۸/۷) ''اے علیؑ! اگر خدا وند متعال تمھارے ہاتھوں کسی ایک شخص کی ہدایت کر دے تو یہ تمھارے لئے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے (اور اس کی کرنیں پڑتی ہیں)''۔

۲)۔ مسلمان فقہاء وعلماء کے نظریات

بہت سے دانشوروں کا نظریہ ہے کہ مسلمانوں کے یہاں دوسروں سے تعلقات کا قانون و صلح وآشتی پر استوار ہے اور جنگ ایک عارضی وغیر عادی حالت ہے جو اسلامی دعوت کی حمایت اور ظلم وتجاوز کی برطرفی کے لئے کبھی کبھی ضرورت بن جاتی ہے جس میں دوسروں پر تسلط یا غلبہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

❁ ابن الصلاح (صلاح الدین) کہتے ہیں:

''اصل وقانون تو یہ ہے کہ کافرین بھی باحیات رہیں خداوند متعال انسانوں کی نابودی کا خواہاں نہیں ہے اور انھیں قتل ہونے کے لئے نہیں پیدا کیا ہے اور اس کا قتل کرنا سوائے ایک عارضی ضرورت کے علاوہ کہ جب ان کا وجود مضر اور خطرناک بن جائے ، جائز نہیں ہے، ابن تیمیہ سے نقل ہوا ہے کہ جنگ بس ان لوگوں سے جائز ہے جو دین پر عمل کرنے کے معاملہ میں ہم سے جنگ کرتے ہیں۔(القاسمی۱۹۸۲۔۱۷۶)''

اسلام ان لوگوں سے کہ جو صلح کے خواہاں ہیں صلح وآشتی کرتا ہے، اسلام جنگ نہیں چاہتا مگر

بس ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوتے ہیں یا دعوت مسلمین کی مخالفت کرتے ہیں زبان و بیان کے ذریعہ جہاد کرنا قدرت وطاقت کے ذریعہ جہاد پر مقدم ہے (القاسمی ۱۸۳۔۱۸۴)۔

❁ مصطفیٰ السباعی کہتے ہیں:

''ہمارے یہاں دیگر قوموں اور ملتوں سے تعلقات کی بنیاد صلح وآشتی، ترک جنگ وجدال اور دوسری قوموں کے اموال، عقائد، آزادی اور اخلاقی اقدار کے احترام پر قائم ہے''۔

❁ محمد عبدہ کہتے ہیں:

'' اللہ نے ہمارے لئے جنگ کو دوسروں کی جان ، مال لینے اور اپنی آمدنی بڑھانے ، خونریزی کرنے لئے واجب نہیں کیا ہے بلکہ جنگ کو حق اور اہل حق کا دفاع اور واجب دعوت کی حمایت ونصرت کے لئے واجب کیا ہے۔(القاسمی ۱۸۷، و۳۰۹)''

❁ مصری اہل قلم عباس عقاد اپنی کتاب '' حقائق الاسلام واباطیل خصومہ'' کہ جسے آپ نے اسلام پر کئے جارہے اعتراضات اور تہمتوں کا جواب دینے کے لئے لکھا ہے آپ اسلام کی جنگ اور تلوار سے نسبت کے بارے میں لکھتے ہیں :اسلامی دعوت کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمین مشرکین کی اذیتوں اور قتل و غارت گری کو ختم کرنے کی قدرت حاصل کرنے سے پہلے خود ہی ان کی بے شمار تکلیفوں اور شکنجوں کا شکار تھے اپنے شہر ووطن سے بھگا دیئے گئے حبشہ کی طرف گئے اور وہاں پناہ لی، مسلمانوں نے کبھی بھی طاقت کا سہارا نہیں لیا مگر صرف انھیں لوگوں کے مقابلہ میں جو منطق وعقل کا فیصلہ نہیں قبول کرتے تھے اگر مسلمانوں کو نہ چھیڑا جائے تو برائی کے بجائے ان سے اچھائی ہی دیکھنے کو ملے گی جیسا کہ حکومت حبشہ کے مقابلہ میں انھوں نے ایسا ہی کیا جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی عرب قبیلوں سے جنگ نہیں ہوئی مگر یہ کہ اس کی نوعیت دفاعی تھی یا پھر پیشگیری اور تحفظ مقصد تھا، تلوار اٹھانے کا حق، زندگی کے حق کے مقابلہ میں ہے یعنی اسلام نے جہاں بھی تلوار اٹھانے کو لازمی قرار دیا ہے وہ از باب ضرورت اور حق حیات کے تحفظ کی خاطر قرار دیا ہے اور اسلام میں حق زندگی کا مطلب ہے دعوت اور عقیدہ میں آزادی کا حق...اگر ہم کائنات کے موجودہ نقشہ پر نظر ڈالیں تو ہمیں پتہ چلے گا

کہ تلوار صرف چند مقامات کے علاوہ کہیں اسلام کے نفوذ کا باعث نہیں بنی ہے وہ سرزمین جہاں جنگ کم ہوئی ہے وہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے جیسے ہندوستان اور انڈونیشیا اور چین اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام بنیادی حقوق کے مطابق دوسری قوموں سے تعلقات صلح پسندی اور مسالمت پر استوار ہے اور اسلام میں جنگ کا سہارا لینا درحقیقت دوسروں کے ذریعہ بھڑکائی گئی جنگ سے دفاع کی خاطر ہے اسلام دو لفظ ہے دین اور صلح۔ (العقاد ۱۹۶۶: ۳۰۰۔۳۰۹)

❁ ڈاکٹر زحیلی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: غیر مسلم قوموں سے جو مسلمانوں سے برسر پیکار نہیں اور مسلمانوں کو اپنے دین کے مطابق عمل کرنے میں آزاد رکھتی ہیں جنگ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان سے مسالمت آمیز تعلقات ختم کرنا چاہئے کیوں کہ (اسلام میں) اصل صلح وآشتی ہے۔ (الزحیلی ۱۹۹۷: ۱۰۲)

بنابرایں یہ کہنا کہ اسلامی شریعت غالب مواقع پر جنگ اور تلوار پر مبنی ہے ایک بے بنیاد نتیجہ گیری ہے اور اسلام کی حیات بخش تعلیمات اور دینی نصوص سے تضاد رکھتی ہے۔

۳)۔ جنگ کی دعوت دینے والی آیات پر ایک نظر

جیسا کہ بیان ہوا غیر مسلمانوں سے تعلقات کی اصل صلح وآشتی پر استوار ہے اس کے باوجود یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس اصل وقانون کے درمیان اور ان آیات قرآنیہ کے درمیان جو جنگ و جدال کے مضمون کی حامل ہیں نیز عصر پیغمبرؐ کی جنگوں کے درمیان کس طرح ہم آہنگی کو قائم کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کے تمام فروعات پر تبصرہ مستقل بحث کا طالب ہے لیکن جس حد تک ہمارے مقالہ کے عنوان سے تعلق رکھتا ہے ہم کچھ چیزیں گزارش کررہے ہیں۔

جنگ پر دلالت کرنے والی مشہور ترین آیت یہ ہے: ﴿**و قاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة و اعملوا ان اللہ مع المتقین**﴾ (توبہ/۳۶) ''اور مشرکین سے سب مل کر

جنگ کرو جس طرح وہ سب مل کر جنگ کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ متقیوں کے ہمراہ ہے'' اس آیت کی وضاحت کے لئے چند نکتوں پر توجہ دینا ضروری ہے ایک یہ کہ آیت میں انسانی حق حیات کا تحفظ مد نظر ہے اس بنیاد پر کہ اگر تمام دشمنان اسلام مسلمانوں کی حیات سلب کرنے کا قصد کرلیں تو واضح ہے کہ مسلمین بھی اپنے حق کا دفاع کرنے کے لئے ان کے مقابلہ میں کھڑے ہو جائیں گے۔ اور ایسا دفاع تو انسانی فطرت سے بھی ہم آہنگ ہے دوسرے آیت صراحت کر رہی ہے کہ چوں کہ وہ سب کے سب جنگ کا قصد رکھتے ہیں تو تم سب بھی ان سے جنگ کرو اس بنیاد پر دراصل یہ غیر مسلمین ہیں جو مسلمانوں سے تعرض کر رہے ہیں اور مسلمین بھی جواب میں دشمن کے تجاوز کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ آیت کے ذیل میں اللہ کے متقیوں کے ہمراہ ہونے کی یاد دہانی اصل میں جنگ وقتال میں بھی انسانی اصول کی پاسبانی کی قدر ومنزلت کو واضح کرتی ہے۔ (الطبا طبائی: ۲/۱۶۵ اور ۹/۲۷)

پیغمبرؐ کی جنگوں کے بارے میں بہت سے دانشوروں کا عقیدہ ہے کہ ان کی جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں اور صلح وآشتی کی اصل سے سازگار تھیں اس نظریہ کے مطابق اسلام کی جنگیں لوگوں کو نئے دین قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے نہیں ہوتی تھیں کیوں کہ دین اسلام اپنی ذات وحقیقت میں مجبوری کو قبول نہیں کرتا۔ اس بنیاد پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کی جنگوں کو ایسی جنگیں سمجھنا چاہئے جو اسلامی معاشرہ کا دفاع کرنے کے لئے خاص حالات میں اور خاص وجہوں سے ہوئی ہیں چنانچہ اگر مشرکین مکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب وانصار کو ان کی سرزمینوں سے جلاوطن نہ کرتے اور مدینہ میں بھی انھیں نہ چھیڑتے تو کوئی جنگ ہی نہ ہوتی۔ حقیقت میں یہ عرب مشرکین تھے جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور پورے شہر مدینہ اور اسلامی حکومت کے نونہال کو جنگ بدر واحد کی شکل میں نابود کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس کے علاوہ جو جنگیں پیش آئی ہیں اگر چہ انھیں جنگ کا نام دے دیا گیا ہے لیکن درحقیقت وہ اجتماعی دفاع سے زیادہ شباہت رکھتی ہیں نہ کہ جنگ واقعی سے اسی لئے اسلامی حکومت اور حبشہ کی حکومت کے درمیان تعلقات وروابط کو دوستانہ تعلقات اور مسالمت آمیز روابط کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے مسلمانوں نے صرف اسی

صورت میں طاقت کا سہارا لیا جب کہ دوسرے ان کی دینی آزادی اور عمل و استقلال کی راہ میں روڑے اٹکانے لگے تھے۔(العقاد ۱۹۹۶: ۳۰۰اور ۳۰۵)

ایک دوسرا سوال جس کے بیان کرنے کا موقع آ گیا ہے وہ یہ کہ اگر تعلقات کی بنیاد صلح و آشتی پر قائم ہے تو دین اسلام میں جہاد کو شرعی حیثیت کیوں ملی؟

بطور خلاصہ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں جہاد کا مقصد، امت اسلامی کا تحفظ اس کی حاکمیت و استقلال کی سلامتی کی ضمانت ہے جہاد، آسمانی ادیان کی حمایت وصلح وآشتی کی پائیداری کے لئے معین ومقرر ہوا ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جس پر قرآن مجید نے بھی مہر تائید ثبت کر دی ہے ارشاد ہوتا ہے: ﴿**ولولا دفع اللّٰه الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بيع و صلوات و مساجد يذكر فيها اسم اللّٰه كثيرا و لينصرن اللّٰه من ينصره ان اللّٰه لقوى عزيز**﴾ (سورہ حج ۴۰/) ''اگر اللہ بعض لوگوں کو دوسرے بعض کے ذریعہ نہ روکتا تو کنیسے (گرجے) بیع (یہودیوں کے عبادت خانے) صلوات (مجوسیوں کی عبادت گاہیں) اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کو یاد کیا جاتا ہے سب منہدم کر دی جاتیں اور یقیناً اللہ ان لوگوں کی ضرور مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتے ہیں بیشک اللہ قوی وعزیز ہے''۔

جہاد کا مقصد دین اسلام کی قلمرو، امت اسلام اور اسلامی حکومت کی حمایت وتحفظ کے لئے آمادگی اور ضرورت بھر دفاع کی طاقت رکھنا ہے اس بنیاد پر بہت سے لوگوں کے غلط تصورات کے برخلاف جہاد دوسروں کو اسلام قبول کرانے کے لئے دینی جنگ کا نام نہیں ہے اس لئے کہ ایسا مفہوم اخذ کرنا دین اسلام کی ماہیت وحقیقت سے دور اور روح شریعت کے خلاف ہے جس میں سہولت و سازگاری ہے اور جس کے اندر عقیدہ کی آزادی (**لا اكراه فى الدين**) کے قالب میں بیان کی گئی ہے۔(القاسمی، ۱۹۸۲: ۱۸۸) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری حیات طیبہ اس بات کی گواہ ہے کہ کسی ایک بھی مسیحی کو اسلام قبول کرنے کی خاطر قتل نہیں کیا گیا بلکہ اس کے برعکس نجران کے عیسائیوں کو بحث ومناظرہ اور مباہلہ کی دعوت دی گئی اور انھیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ مسلمانوں

کی مسجد میں عبادت کریں، مورخین، اسلام کا سنہرا دور اسی دوسالہ صلح وآشتی کے زمانہ کو جانتے ہیں جو مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان صلح حدیبیہ واقع ہونے کے بعد گزرا اس دوسالہ دور میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد اس صلح و پیمان صلح کے انعقاد سے پہلے پورے بیس سال میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے (فضل اللہ: ۱۹۸۱: ۲۱۱) اسلامی قوانین اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ دوسری قوموں کے اقتصادیات پر قابض ہونے اور استثمار واستعمار کے ارادہ سے یہاں تک کہ طاقت وتوانائی کے وسائل وامکانات رکھتے ہوئے طاقت کا سہارا لیں اس لئے کہ اسلامی حکومت میں ثروت ودولت کے منابع پر قبضہ کرنے، بازار کی ضرورتوں کو پورا کرنے، یا دنیا کے دیگر علاقوں پر اپنی سلطنت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے جو آج کل کی مغربی دنیا میں قائم حکومتوں کا مقصد ہے۔ جہاد کرنے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ جہاد کو اس صورت میں وسیلہ بنایا جاسکتا ہے جب کہ دشمن صلح کا ارادہ نہ رکھتا ہو یا ایسے حالات پیدا کردے جس کے باعث اسلامی قلمرو اور امت اسلامی کو خطرہ لاحق ہوجائے اور ان کا مقصد اسلام ومسلمین کی تباہی ہو شہید باقر الصدر آیت کریمہ ﴿**یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة**﴾ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۸) میں لفظ سلم پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صلح وہ روداد ہے جس کا حکم شرعی ہر قضیہ میں اس کے خاص حالات وکیفیات کی بنیاد پر طے ہوتا ہے کبھی ایسے حالات ہوتے ہیں جن میں صلح کرنا واجب ہوجاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید اس آیت میں اشارہ کرتا ہے: ﴿**فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا**﴾ (سورہ نساء/۹۰) ''اگر وہ لوگ تم سے ہاتھ روک لیں اور جنگ نہ کریں اور صلح کا پیغام دیں تو تمھارے لئے خدا نے ان کے اوپر کوئی راہ قرار نہیں دی ہے'' اور کبھی حالات ہی صلح کو حرام بنادیتے ہیں جیسا کہ اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿**فلا تھنوا و تدعوا الیٰ السلم و انتم الاعلون**﴾ (سورہ محمد/۳۵) ''پھر تو تم ہمت نہ ہارو اور صلح کی دعوت نہ دو جب کہ تم ہی سربلند ہو''۔

اس بنیاد پر اسلام کا نظریہ صلح وآشتی کے بارے میں دوسرے حالات کی طرح خاص حالات وکیفیات کا تابع ہے اور تمام جوانب پر توجہ دیئے بغیر قطعی طور پر صلح کا حکم صادر نہیں کیا جا سکتا ہے (الصدر۲۰۰۴: ۹۰۔۹۱) واضح سی بات ہے کہ دشمن کا موقف اور دشمنوں کی وجہ سے مسلمانوں کو درپیش حالات کی بنیاد پر صلح یا جنگ کا موقف مقرر ہوتا ہے اور یہ بات مکتب اسلام کی تعلیمات میں اصل و قانون صلح سے بھی مناسبت رکھتی ہے۔

ایک بار پھر ہم اس نکتہ پر تاکید کریں گے کہ اسلامی دنیا میں غیر مسلموں سے تعلقات کی بنیاد قانون صلح پر استوار ہے اور طاقت کا استعمال اور جنگ وخونریزی ایک استثنائی حالت ہے جو اسلامی سرزمینوں پر فوجی تجاوزات و جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے حق دفاع کے عنوان سے شرعی وقانونی حیثیت پیدا کر لیتی ہے۔ (دیکھئے: الزحیلی ۱۹۹۷: ۱۱۶)

قانون دفاع بھی وہ حق ہے جو موجودہ بین الاقوامی حقوق کے آئین میں قبول کیا گیا ہے اور اقوام متحدہ کے عالمی منشور کا ۵۱ ویں بند میں اس کو صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے اگر چہ بین الاقوامی حقوق میں حق دفاع کی تاریخ طولانی نہیں ہے[۱] اگر چہ آج کل بین الاقوامی حقوق کے آئین میں ملکوں کے درمیان تعلقات کی بنیاد صلح وآشتی پر قائم ہے اور جنگ ایک ثانوی ضرورت ہے لیکن اس قانون کی تاریخ بین الاقوامی سماج میں ایک صدی سے کم کی ہے کیوں کہ ۱۹۲۸ء میں ''بریان۔کلوگ'' معاہدہ میں جنگ، حقوق سے تضاد رکھنے والی شے کے عنوان سے متعارف ہوئی جب کہ اس سے قبل نہ صرف جنگ حقوق سے تضاد رکھنے والی شے نہیں مانی جاتی تھی بلکہ ایک حق سمجھی جاتی تھی۔ (شارل ۱۳۶۹: ۲۶)

البتہ ''صلح جوئی'' مغربی ممالک کے حکمرانوں کا ایک خوشنما دعویٰ ہے جسے وہ بڑی آب و

۱۔ منشور کا ۵۱ واں بند کہتا ہے ''اقوام متحدہ کے کسی رکن پر مسلحانہ حملہ کی صورت میں جب تک سلامتی کونسل صلح اور عالمی امن وامان کی خاطر کوئی اقدام نہیں کرتی اس منشور کا کوئی قانون کسی کے ذاتی یا سماجی دفاع کرنے کے ذاتی حق پر کوئی صدمہ وارد نہیں کر سکتا''۔

تاب کے ساتھ زبان پر جاری کرتے ہیں لیکن یہ قانون کافی کوششوں اور پہلی و دوسری عالمی جنگ میں لاتعداد بے گناہوں کے خون بہہ جانے کے بعد بین الاقوامی حقوق کے آئین میں وارد ہوا''غنیمی'' کا کلام اس بارے میں سننے کے لائق ہے وہ کہتا ہے:''نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں حقوق صلح نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی اسے موجودہ بین الاقوامی حقوق کی دین کہا جاسکتا ہے بلکہ ان دونوں حقوق کے مابین بہت سی شباہتیں پائی جاتی ہیں اور دونوں کا مقصد بھی ایک ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں دونوں جگہ حقوق کا منبع جدا جدا مگر فلسفہ صلح کا سرچشمہ دونوں میں ایک عقلی منطق ہے اور وہ عقلی منطق ، بین الاقوامی سماج کی رفاہ و آسائش کی حصول یابی ہے جسے دوستانہ تعلقات اور مسالمت آمیز روابط کے ثبات سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ میرے اوپر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ میں بین الاقوامی حقوق کو اسلامی حقوق پر ترجیح دے رہا ہوں ناقص حقوق کی کامل حقوق پر ترجیح قطعا جائز نہیں ہے میرا خیال ہے کہ انسانی فکر ہمیشہ صلح جو رہی ہے لیکن ہر دور میں نئی روش کی متلاشی رہی ہے (غنیمی بغیر تاریخ:۱۹۳۴) اس کے باوجود اس نکتہ کا اضافہ ضروری ہے کہ جس چیز کو اسلام نے صدیوں پہلے کھوج نکالا ہے اور اس کا اعلان کر دیا تھا اسی چیز کو بین الاقوامی حقوق نے تیرہ صدیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔

ب: اسلام سے جنگ وشدت پسندی منسوب کرنے کی وجہیں

پہلی عالمی جنگ کے بعد مغرب میں اسلام کو جنگ وشمشیر کے دین سے تعارف کرایا جاتا رہا اور اس وقت سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد اسلام کو دہشت گردی اور شدت پسند دین کہا جارہا ہے اور مسلمانوں کو شدت پسند بتلایا جارہا ہے جیسا کہ کہا گیا یہ کوئی نیا الزام نہیں ہے بلکہ لفظیں بدل گئی ہیں اور نئے سیاسی ادبیات کے ہمراہ ہم آواز ہوگئی ہیں۔ بعض اہل مغرب اور بعض مستشرقین کی طرف سے اس قسم کے الزمات کی درج ذیل وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ دینی نصوص اور اسلامی فقہ کے حقائق سے غلط مفہوم لینا

بعض لوگوں نے آیات قرآن مجید کے ظاہری معانی اور احادیث کے سطحی معنی سے استناد کرتے ہوئے جنگ کو مسلمانوں کی زندگی میں ایک اصل وقانون فرض کرلیا ہے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کے سلسلہ میں اسی اصل وقانون کو تقویت دی ہے۔ یہ نظریہ اس بات کا باعث بنا کہ بعض مغربی اور مشرقی محققین، اسلام کو جنگ وشمشیر کا دین ومذہب سمجھ بیٹھیں لیکن جدید تحقیقات نے اس قسم کے رجحانات رکھنے والے فقہاء جو جنگ کو اصل سمجھتے تھے کے نظریات سے پردہ ہٹا دیا ہے ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی کتاب آثار الحرب جو مصر کی ایک یونیورسٹی میں ان کی ڈاکٹریٹ کی تھیسس کا عنوان تھا مفصل تحقیق کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

دوسری صدی ہجری میں جو فقہی اجتہاد کا دور تھا مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط پر چھائی ہوئی حالت سے متاثر ہوکر اکثر فقہاء کا یہ نظریہ رہا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کی بنیاد جنگ پر قائم ہے نہ کہ صلح پر مگر یہ کہ صلح کے اسباب جیسے ایمان آوری یا امان نامہ وجود پا جائیں اس نظریہ کے اپنانے کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی فتوحات کا سلسلہ کامیابی کے ساتھ جاری وساری رہے اور عزت مسلمین اور اسلامی دعوت کی ذمہ داری کائنات میں اس طرح رواں دواں رہے۔ (الزحیلی ۱۹۹۷: ۹۳) ایسے نظریات کی تقویت وپشت پناہی جاموی وعباسی دور سیاست میں اس زمانے پر مسلط جنگی حالات کی بنا پر قائم ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہر زمانے کے مسلط سیاسی وسماجی تقاضے کچھ مثبت آراء ونظریات کے حامل ہوجاتے ہیں جو صرف اسی خاص زمانے سے زیادہ سازگار اور مناسبت رکھتے ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ یہ تصور ہونے لگا کہ دوسری صدی ہجری کے فقہاء نے اس دور کے سیاسی وسماجی حالات سے متاثر ہوکر جو موقف اختیار کیا تھا وہی نظریۂ اسلام تمام زمانوں کا نظریہ ہے اور اصل جنگ اسلامی شریعت کے آئین کا ایک حصہ ہے اس تصور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ گزشتہ

فقہاء کے ذریعہ دنیا کو دو حصہ میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی دارالحرب اور دارالاسلام، اسلامی فقہ وحقوق کا ایک حصہ ہے کہ مسلمانوں اور غیروں کے درمیان تعلقات پر ہمیشہ سایہ فگن رہا ہے اور مسلمین اسی اصل کی پیروی کرتے رہے ہیں جب کہ دنیا کی دو حصوں دارالحرب اور دارالاسلام میں تقسیم درحقیقت دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات پر سایہ فگن سیاسی وفوجی تقسیم بندی کا مظہر ہے جسے ایک شرعی وقانونی حکم نہیں سمجھا جاسکتا یہ تقسیم صرف اس زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء اور حقوق دانوں نے استنباط کی ہے۔(الزحیلی ۱۹۹۷:۱۰۲) اس دور میں اسلامی حکومت سرحدی خطروں سے دوچار تھی جو کبھی کبھی فوجی کارروائی پر ختم ہوتی تھی اور یہ ٹکراؤ ایک طرف سے اسلامی وسماجی معاشرہ پر بڑا برا سیاسی اثر ڈالتا تھا اور دوسری طرف وہ زمانہ اجتہاد کے پنپنے اور وسیع پیمانے پر فقہ کے نکھار کا دور تھا اس لئے جنگی حالات اور اس زمانے کی خاص صورت حال نے فقہی استنباط پر اثر ڈلا۔

مستشرقین میں مجید خدوری [1] دنیا کو دو حصوں دارالحرب اور دارالاسلام میں تقسیم کے نظریہ کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے: جہاد وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعہ دنیا دارالحرب سے دارالاسلام میں تبدیل ہوجاتی ہے اسی بنیاد پر مسلمانوں اور دوسری قوموں کے درمیان عادی روابط وتعلقات پر ایک قسم کی دشمنی ومخاصمت آمیز حالت طاری ہے اس کا خیال ہے کہ اسلام میں غیر مسلمین سے دائمی صلح و آشتی پر مبنی معاہدہ کا انعقاد کوئی حیثیت نہیں رکھتا سوائے اہل کتاب سے معاہدوں کے۔(عبدالرزاق بحث نظریہ **الحرب هی الاصل**)

اگر ہم اسلام کو ایک کامل شریعت و دین تسلیم کرتے ہیں تو یہ منطقی بات ہے کہ اس کے اخلاقی اصول وضوابط کے پہلو میں صلح و جنگ اور دوسروں سے تعلقات پر مبنی قوانین و دستورات پر بحث کریں۔اس لئے کہ انسانی زندگی میں صلح و جنگ ناگزیر ہے لیکن کسی حقوقی نظام میں موجود اسی

۱۔عراقی الاصل عیسائی رائٹر کہ جس نے اپنے ڈاکٹریٹ کے رسالہ ''اسلام میں جنگ وصلح'' میں زیادہ تر آراء ونظریات ذکر کئے ہیں۔

طرح کے اصول وقوانین کو اس نظام میں ایک حالت باقی رہنے کی دلیل نہیں سمجھا جاسکتا اور یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ چوں کہ اسلام میں جہاد، شرعی وقانونی حیثیت رکھتا ہے پس مسلمین ہمیشہ غیر مسلمین سے جنگ کی حالت میں رہتے ہیں موجودہ بین الاقوامی حقوق میں بھی کچھ ایسے قوانین پائے جاتے ہیں جن میں جنگی امور، اسراء، زخمیوں اور اسلحوں کے استعمال کے طریقہ وغیرہ پر گفتگو ہوئی ہے جس کی بہت سی شاخیں جیسے'' حقوق جنگ '' (Khadduri,p.54) یا ''مسلحانہ نزاع کے حقوق'' (Law of Armed Conflict) اور ''دوستانہ انسانی حقوق'' (Humanitarian Law) وجود میں آگئی ہیں اس بنیاد پر کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی حقوق، جنگ وشمشیر کے حقوق ہیں کیوں کہ اس میں جنگ وجدال سے متعلق امور پر گفتگو ہوئی ہے؟ واضح ہے کہ قبول نہیں کیا جاسکتا اس طرح تاریخ اسلام میں ایک خاص موقع پر سایہ فگن جنگی حالت کو مستند قرار دے کر ہمیشہ کے لئے اس حالت کو ایک کلی قاعدہ کا عنوان نہیں دیا جاسکتا اور اس کی بنیاد پر اسلام کا جنگ طلب اور شدت پسند دین کے عنوان سے تعارف نہیں کرایا جاسکتا۔

اور پھر کیا سارے ادیان ومذاہب ہمیشہ صلح وآشتی کی حالت میں رہے ہیں اور ہرگز جنگ و جدال سے روبرو نہیں ہوئے ہیں؟ کیا تاریخ عیسائیت میں دوسروں کو عیسائی بنانے کے لئے متعدد جنگیں نہیں ہوئی ہیں؟ کیا عیسائیوں نے جن جنگوں کے شعلے بھڑکائے ہیں انھیں حضرت عیسیٰ کے دین سے جو صلح وآشتی کا دین ہے نسبت دی جاسکتی ہے؟ مغربی لوگ اسلام کو تلوار اور جنگ کا دین سمجھتے ہیں جب کہ مغرب میں کم ہی ایسے لوگ ہوں گے جو شمالی یورپ والوں کو جبری طور پر عیسائی بنانے کے لئے اور اس علاقہ کے پورے ادیان ومذاہب کی بیخ کنی کے لئے کئے گئے سلوک کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جب تک اہل مغرب ایمان دار عیسائی تھے عیسائیت وہ پرچم تھا جسے جنگوں میں ہراتے تھے اور جب ان کے درمیان دین کم رنگ ہوگیا تو قوم پرستی، فاشیزم کمیونسم، کیپٹلیزم اور دوسرے مکاتب فکر نے سر اٹھایا۔

ہاں! اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام، دین شمشیر ہے اگر اس کا مقصد دین شمشیر سے یہ ہے کہ

اس نے جہاد کو ایک نظام جہاد کے طور پر واجب کیا ہے تو اس کی بات درست ہے لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ اسلام تلوار کی دھار سے پھیلا ہے تو وہ ایک آشکار غلطی میں مبتلا ہے کیوں کہ اسلام، عقل و منطق اور اپنی ثقافتی روش کے ذریعہ کائنات پر چھا گیا ہے۔

دوسری جانب بعض مسلمان بھی اہل مغرب کے اسلام کو غلط سمجھنے میں حصہ دار ہیں جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا برُا سمجھانا بھی دوسروں کے برے سمجھنے میں کافی حد تک موثر ہے بعض متعصب مسلمانوں کی تحریر اور سلوک و عمل اسلام سے اس قسم کے نتائج اخذ کرنے کا راستہ ہموار کر دیتا ہے (مثال کے طور پر دیکھئے http://www.mojahedin.com) کسی بھی حقوقی نظام میں غیر فوجیوں، عورتوں اور بچوں کو نشانہ بنانا جائز نہیں چہ جائیکہ اس دین میں جس کا پیغام ہی رحمت و سلامتی اور مہربانی ہے اور اس کے نبیؐ عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، یہ کہنا کہ "اسلام میں دو قسم کی دعوت دی جاتی ہے زبان سے دعوت، سنان و تلوار سے دعوت لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرنے کے لئے یا یہ کہنا کہ "خدا نے مسلمانوں پر واجب کر دیا ہے کہ کفار و مشرکین کے اس گروہ سے جنگ کا آغاز کر دیں جو اسلام قبول کرنے کی دعوت کے بعد اسلام قبول نہیں کرتے اور اسلامی امت پر واجب ہے کہ سوائے محترم مہینوں کے جن میں جنگ کا آغاز منع ہے بقیہ مہینوں میں ان پر حملہ کریں اور جنگ کا آغاز کریں اس لئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب نے آنحضرتؐ کی طرف سے بھیجے گئے فارس اور روم کے حکمرانوں کے نام خطوط پر توجہ نہ دیئے جانے کی وجہ سے جنگ کا آغاز کیا جب کہ ان ملکوں نے کسی بھی مسلمان سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، کتاب و سنت میں روح شریعت اور اسلامی رحمت کے سلسلہ میں دقیق غور و فکر کی ضرورت ہے ایسا تصور بہت سی دلیلوں کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ اسلام کے انسان ساز اور حیات بخش مکتب کے حقائق اور تعلیمات سے کوسوں دور ہے بلکہ موجودہ مسلم معاشروں سے بھی کوئی سازگاری و مناسبت نہیں رکھتا۔

۱۔ یہ جو دین اسلام کی دعوت کو دو دعوتوں (زبانی دعوت اور تلوار کے زور پر دعوت) میں تقسیم کیا گیا ہے قرآن کی بیان کردہ منطقی روش کے ذریعہ مدمقابل کو قانع کرنے اور قطعی برہان و دلیل

پر قائم دعوت کی روش سے موافقت نہیں رکھتا۔ آیت کریمہ ﴿ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن ﴾ (سورہ نحل/۱۲۵) ''اپنے رب کی طرف حکمت اور حسین پند و نصیحت کے ذریعہ دعوت دو اور ان سے بہترین طریقہ سے بحث کرو''۔ جیسی آیت کے ہوتے ہوئے دوسروں کو قہر و جبر کے ذریعہ مسلمان کرنا شرعی و قانونی دعوت کی روش شمار نہیں کی جاسکتی۔ اسلامی دعوت کبھی بھی صلح جوئی اور مسالمت آمیز روش اور قرآن کی تعبیر میں احسن روش سے دور و بے گانہ نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ دین کی بنیاد ایمان اور قلبی طور پر تسلیم کرنا ہے جو ارادہ و اختیار کے ساتھ ہی ممکن ہے نہ قہر و غلبہ اور جبر و تشدد کے ذریعہ۔ ﴿اکراہ فی الدین ﴾ (سورہ بقرہ/۲۵۶) الزحیلی ۹۷) دعوت دین صرف زبان و سنان میں محدود نہیں ہے بلکہ دعوت دین میں عمل و کردار کے پہلو کا انکار نہیں کیا جاسکتا (کونوا دعاة للناس بغیر السنتکم) ''لوگوں کو بغیر زبان کے (عمل کے ذریعہ) دعوت دینے والے بنو''۔ دنیا کے دور دراز علاقوں میں بسنے والے انسانوں کے دلوں میں جو اسلامی ایمان گھر کر گیا ہے یہ مسالمت آمیز دعوت ہی کی دین ہے نہ شمشیر و سنان کی دعوت۔ ہم (مسلمین) جہاں بھی تلوار کے ذریعہ وارد میدان ہوئے تلوار کے ذریعہ بھگا بھی دیئے گئے۔ دین کی دعوت دلیل و برہان کے ذریعہ نتیجہ بخش ہے نہ کہ شمشیر و سنان کے ذریعہ، ہاں! اسلام تلوار والا ضرور ہے لیکن تلوار دفاع کے لئے ہے، موانع کو برطرف کرنے کے لئے ہے نہ کہ حملہ آور ہونے کے لئے۔

۲۔ مذکورہ نتیجہ ان فقہی و حدیثی نصوص سے بھی مناسبت نہیں رکھتا ہے کہ جن میں جنگ کی ابتداء سے منع کیا گیا ہے۔ (القاسمی ۱۹۸۲: ۱۷۵ بنقل از سفیان بن سعید بن مسروق ثوری دوسری صدی ہجری کی معروف شخصیت بھی آغاز جنگ کو قبول نہیں کرتی) اسی طرح مذکورہ خیال ان آیات و روایات سے بھی کوئی تناسب نہیں رکھتا جو عفو و بخشش اور احسان و گزشت پر دلالت کرتی ہیں مثال کے طور پر ﴿وقولوا للناس حسنا ﴾ (سورہ بقرہ/۸۳) ''اور لوگوں سے اچھے انداز میں باتیں کرو''۔ ﴿فاعفوا و اصفحوا ﴾ (سورہ بقرہ/۱۰۹) ''پھر عفو و درگزشت کرو'' ﴿ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن ﴾ (سورہ نحل/۱۲۵) ''اپنے

پروردگار کی طرف حکمت اور پسندیدہ موعظہ کے ذریعہ دعوت دو اور بحث ومباحثہ بہترین طریقہ سے کیا کرو'' ﴿ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ﴾ (سورہ مائدہ/۸) ''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر جری نہ بنادے کہ تم عدل وانصاف سے کام نہ لو عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑو کہ عدل وانصاف ہی تقویٰ سے قریب تر ہے''۔ اسی طرح بڑے پیمانے پر وہ آیات وروایات جو کہ دوستی ومہربانی، حلم وبردباری، دوسروں کی برائیوں اور ان کے عیوب سے چشم پوشی، غصہ کو پی جانا، نرم مزاجی وغیرہ وغیرہ کے بارے میں موجود ہیں مذکورہ خیال ونظریہ کے ساتھ قابل جمع نہیں ہیں۔

❁ ۳۔ اس نظریہ کے قبول کرنے کا مطلب ہے ان تمام امکانات ووسائل سے ہاتھ کھینچ لینا جو دوسروں کے ساتھ مسلمانوں کے مسالمت آمیز معاملہ کے اظہار کے لئے انجام پاتے ہیں۔

❁ ۴۔ بین الاقوامی سماج کی واقعیات نیز اسلامی حکومتوں سے تشکیل پائے سماج کی واقعیات جو کہ موجودہ زمانے میں (Olc) ادارۂ اسلامی کانفرنس کے قالب میں ظہور پزیر ہوا ہے وہ مسلمانوں کی دوسری قسم کی حالت کو آشکار کرتا ہے۔ تمام اسلامی ممالک جو کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے رکن ہیں اور بین الاقوامی معاہدوں اور معاملات میں دخیل ہیں انھوں نے دوسرے ملکوں اور قوموں سے مسالمت آمیز اصولوں پر تعلقات قائم کئے ہیں اور بین الاقوامی سماج کے مقابلہ میں ایک فریضہ و ذمہ داری کے عنوان سے طاقت کے استعمال سے منع کر دیئے گئے ہیں موجودہ بین الاقوامی سماج اور ان افکار کے ساتھ معاہدہ ومعاملہ ہرگز ممکن نہیں ہے جو مسلمانوں کی زندگی کے ایک خاص دور سے متعلق اور جنگ پر مبنی تھے۔ اس لئے کہ اسلامی ممالک کی بین الاقوامی اداروں اور خاص طور سے اقوام متحدہ میں رکنیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان ممالک نے اپنے بین الاقوامی تعلقات میں اصل صلح کو قبول کیا ہے اور یہ عہد کیا ہے کہ اختلافات کے حل وفصل کے لئے مسالمت آمیز اسلوب اپنائیں گے۔ (دیکھئے اقوام متحدہ کا آئین مادہ ۱ و ۲ بند ۳)

اسلامی ممالک نے بھی اسلامی کانفرنس کے آئین نامہ میں بین الاقوامی تعلقات کے لئے

اسی قسم کا عہد قبول کیا ہے اس ادارہ نے بین الاقوامی صلح وامنیت کی حمایت کے لئے ضروری تدابیر کے اتخاذ کو اپنا ایک اہم مقصد اعلان کیا ہے اس ادارہ کے آئین کے مادہ دوم کے بند چہارم (الف) بین الاقوامی صلح وامنیت سے متعلق ہے جس میں آیا ہے: ''اس ادارہ سے وابستہ ممالک، بین الاقوامی صلح و امنیت کی حمایت میں ضروری تدابیر کے اتخاذ کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کرتا ہے۔ادارہ اسلامی کانفرنس کے آئین نامہ کا یہ بند دین اسلام وعقیدۂ اسلامی کے بنیاد پر استوار ہے اور اقوام متحدہ کے مادہ یک کے بند یک سے متاثر ہے کہ جس میں بین الاقوامی صلح وامنیت کو اقوام متحدہ کا ایک ہدف و مقصد جانا گیا ہے اور دونوں کے آئین نامہ کے مفاد میں اس طرح کی ہم آہنگی ان دونوں بین الاقوامی اداروں کے مابین مشترک اغراض ومقاصد کا پتہ دیتی ہے اور چوں کہ دین اسلام میں اصل یہ ہے کہ دوسری اقوام وملل کے ساتھ مسالمت آمیز زندگی بسر کی جائے اس لئے اسلامی ممالک بھی اس مقصد کی حصول یابی کے لئے اقوام متحدہ کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔

۵۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دنیا کے مسلمانوں کی موجودہ صورت حال پر نظر ڈالیں اسلام اور مسلمین کے اوپر دحشت گردی اور تشدد پسندی کا لیبل دشمنوں نے گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد لگانا شروع کیا ہے اور دنیا کے مختلف ذرائع ابلاغ سے مسلمانوں کی بے حد غلط تصویر منعکس کی گئی مسلمانوں کو ایسے خطرناک افراد کے عنوان سے پہچنوایا گیا کہ جن سے دوسروں لوگوں کو بچنا چاہئے اور مسلمانوں کے اوپر ہر طرح کی سختیاں کی جای گئیں رہی ہیں بہت سے مادی ومعنوی نقصانات مسلمانوں کو اٹھانے پڑے۔مسلمانوں سے متعلق مدارس خیراتی وثقافتی مراکز اور کمپنیاں تعاون یا احتمال تعاون کی تہمت کی وجہ سے بند کر دئے گئے ان کے اموال کو ضبط کر لیا گیا ملیونوں کی تعداد میں مسلمین جو کہ مختلف وجوہات کی بنا پر جیسے علاج، تعلیم اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے درمیان تبلیغ کے لئے مغربی ممالک اور غیر اسلامی ملکوں کا سفر کرتے ہیں تو ان کے ساتھ بغض وکینہ کا اظہار کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ خطرناک مسافروں جیسا سلوک کیا جاتا ہے بہر حال میں ایک مسلمان کی یہ بات نہیں

بھول سکتا جو کہہ رہا تھا اگر میں اسلام کے صلح پسند دین اور مسلمانوں کے صلح جو ترین افراد ہونے کا یقین نہ رکھتا ہوتا تو ہمیں یقین ہو جاتا کہ ہم مسلمین دہشت گرد اور تشدد پسند ہیں۔

۲)۔مغرب میں اسلام کی ترویج

اسلام کی مخالفت کا ایک اور داعی جو کہ مسلمانوں کو جنگ طلب اور دہشت گرد کا لیبل لگانے میں موثر رہا ہے وہ روز بروز مغربی دنیا میں اسلام و مسلمین کی بڑھی ہوئی طاقت و تعداد ہے کیوں کہ یہ حالت ان لوگوں کے بقول بحرانی کیفیت تک پہنچ گئی ہے اس سلسلہ میں ہم صرف امریکہ کے بھاری تعداد میں نشر ہونے والے تازہ ترین میگزین پر نظر کرتے ہیں جس نے یورپ میں شناختی بحران (Europe's identity crisis) کے عنوان سے مسلمانوں اور یورپ میں روز بروز بڑھتی ہوئی مسلمانوں کی تعداد سے یورپیوں کی شناخت پر اثر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اس میگزین کے ۲۸ ویں شمارہ فروری ۲۰۰۵ء کے پہلے صفحہ پر مونالیزا کی مشہور پینٹنگ کو پڑھنے والا ملاحظہ کرتا ہے جو اسلامی حجاب سے روپوش ہے اور تصویر کے نیچے دیئے گئے عنوان مقالہ کے متن کو مطالعہ کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

مقالہ نگار کے خیال میں یورپین شناختی بحران کا سرچشمہ بھاری تعداد میں مہاجر مسلمانوں کی وجہ سے ہے جس کے نتیجہ میں یورپ کا اشتراک ثقافت پر مبنی مثالی معاشرہ شکست کھا چکا ہے اس گزارش میں بلجیم، جرمن، ہالینڈ میں مہاجرت، مہاجرین کے خلاف روز بروز تشکیل پانے والی احزاب کی بڑھتی تعداد سے اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ انھیں کس قدر مسلمان مہاجرین کے تسلسل سے اپنی یورپین شناخت کے مضمحل ہونے کا خطرہ لاحق ہے وہ مہاجرین جو اپنی ثقافتوں اور آداب زندگی کو خیر باد کہنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور یورپیوں کے رنگ میں نہیں ڈھلتے اس گزارش کے آغاز بلجیم کی داہنے بازو کی شدت پسند حمایت ''ولامس بلانگ'' کے لیڈر کا تعارف پیش کیا گیا ہے کہ جس

نے اس ملک کے شہر انتورپ نورث میں پہلی رسمی مسجد کی تاسیس وتعمیر کو روکنے کے لئے تحریک شروع کی تھی ،اخبار ٹائم کے بقول جب یہ شخص (دو ویتز) سڑک سے گزرتا تھا تو سڑک کے ایک جانب سے مہاجرین اسے ''قوم پرست'' کہتے تھے اور دوسری جانب اس کے طرفدار اس کی تعریف کرتے تھے درحقیقت ولامس بلانگ جماعت کا لیڈر تو بس ایک نمونہ ہے ایسے نہ جانے کتنے تھے۔اخبار ٹائم کے بقول مسلمان مہاجرین کو قانونی طور پر یورپین سکولر کے اقدار قبول کرنے کا پابند بنانا چاہئے اچھا ہے انھیں اسلامی آداب وسنن چھوڑ کر یورپیوں کے ساتھ ہم رنگ ہونا پڑے یورپین سیاستمداروں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلامی دہشت گردوں اور بھیانک مہاجرت کے درمیان تعلقات کا مقابلہ کرنے کا واحد ذریعہ یہی مذکورہ روش ہے۔

اس مقالہ کے دوسرے حصہ میں '' کارل دووس''، بلجیم کے شہر گنت یونیورسٹی میں سیاسیات کے استاد کا کہنا ہے، سنتی طور پر یورپین یعنی وہ شخص جو یورپ کے کسی ایک ملک کا باشندہ ہے لیکن یورپی اقدار کے بارے میں مزید فلسفی بحث جاری ہے یہ واقعیت ہے کہ مسلمانوں کی دوسری نسل اب بھی مہاجر شمار ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک بہت بڑی مشکل سے دوچار ہیں''۔

بلجیم کی '' ولامس بلانگ'' جماعت کا لیڈر کہتا ہے :اشترا کی ثقافت ایک وہم ہے اکثر مہاجرین ہم رنگ نہیں ہورہے ہیں وہ خاص خاص محلوں میں اپنی خاص طور طریقہ پر مشتمل زندگی بسر کررہے ہیں انھیں چاہئے کہ ہماری طرح زندگی بسر کریں دین کو سیاست سے جدا ہونا چاہئے یورپ میں خون کی ندیاں بہی ہیں تا کہ یہ جدائی حاصل ہو سکے''اس کا خیال ہے کہ مسلمین موجودہ زمانے میں یورپ کی سب سے بڑی مشکل ہیں اور اگر بہت جلد اس سلسلہ میں کوئی کام نہ ہوا تو بہت دیر ہوجائے گی۔(Time: February 28-2005 vol. 165 no 9)

۳۔اسرائیلیوں کی حمایت

مسلمانوں کے اوپر دہشت گردی کا لیبل لگانے کا ایک اور پشت پردہ مگر عیاں ہو جانے والا انگیزہ ، اسرائیلیوں کی حمایت ہے ۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں یہودیوں کی کارستانیاں اور ان کی گھناؤنی تاریخی ایسی رہی ہے کہ یہ قوم دنیا کے بہت سے بحرانوں کا سرچشمہ رہی ہے اور اب بھی یہی روش افراطی یہودیوں اور اسرائیلیوں کے ذریعہ جاری ہے بلاشبہ اسرائیلیوں کو بھی مسلمانوں کے اوپر لگائے گئے دہشت گردی کے لیبل کا سرچشمہ سمجھنا چاہئے دنیا میں جہاں کہیں بھی بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری اور وحشیانہ حادثہ پیش آتا ہے اس کی جڑ اور سرچشمہ یہودیوں کے درمیان تلاش کرنا چاہئے ۔مغربی ذرائع ابلاغ اور رسائل ومجلّات میں دورخی بین الاقوامی صہیونیزم کی حمایت وطرفداری کی بہترین دلیل ہے نیز اس گروہ کے مخفی ہاتھ مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کو شہرت دینے میں کارفرما ہیں ایک طرف تو مغربی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے اور ان کو بھیانک ثابت کرنے میں آزاد رہے ہیں اور ان کی حمایت ہوتی رہی ہے تو دوسری جانب ٹھیک اس کے بر خلاف جو کلام یا تحریر یہودیوں کی تاریخ یا ان کے جرائم سے متعلق ہوتے انھیں سنسر کر دیا جاتا رہا ہے۔ بعض مواقع پر اس قسم کے رائٹروں کو نکال دیا گیا یا پھر ان کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی ہے کیوں کہ انھوں نے یہودیوں اور اسرائیلیوں کے بارے میں حقائق بیان کر دیئے تھے اس سلسلہ کا آخری نمونہ جس میں بعض اسلامی چینل پر پابندی ہے جو اسرائیلیوں اور یورپیوں کے مزاج پر بار تھا اور انھیں اچھا نہیں لگتا تھا ۔مغرب میں علمی مراکز اور یونیورسٹیوں میں آزادی بیان اور اخبارات وغیرہ پر پابندی اور محدویت کی بہترین دلیل ، یہودیوں اور اسرائیلیوں کے خلاف نشر ہونے والے مطالب ہیں ۔مغربی حکومتوں کی جانب سے اسرائیلیوں کی فوجی اقتصادی سیاسی اور تبلیغاتی حمایت گفتگو کی محتاج نہیں ہے کیوں کہ مغربی ممالک خاص طور پر امریکہ اور بہت سی یورپی حکومتوں نے رسمی طور پر اسرئیلیوں کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔

اسلامی سرزمینوں جیسے عراق وافغانستان پر ظالمانہ قبضہ اس علاقہ کے ممالک کو اسلامی آئین سے دست بردار ہو جانے کی ترغیب کی دھمکی، مسلمانوں کو ایٹمی انرجی یہاں تک کہ صلح وامنیت طلب اغراض ومقاصد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا، بعض اسلامی ملکوں کا نام شرارت کی مرکز حکومتوں کی لسٹ میں درج کرنا اور آخر میں دہشت گردی (اسلام) کے مقصد کے خلاف صلیبی جنگ کا اعلان وغیرہ یہ سب کے سب اسرائیلیوں کی منفعت میں اٹھائے گئے قدم ہیں۔

دوسرے اغراض ومقاصد جیسے مسلمانوں کو علمی ترقی سے محروم کرنا تبلیغاتی جنگ کے خاتمہ پر اہل مغرب کے سامنے ایک فرضی دشمن کے وجود کی ضرورت، تہذیبوں اور کلچر کی جنگ اور ٹکراؤ کا نظریہ پیش کرنا اور اسے جامۂ عمل پہنانا، ڈیموکریسی کے فروغ کے بہانے اسلامی حکومتوں کے داخلی امور میں مداخلت کرنا درحقیقت ملکوں کی ملی ثروتوں کو ہڑپنا وغیرہ یہ وہ دیگر اغراض ومقاصد ہیں جو مسلمانوں کے اوپر جنگ طلبی اور دہشت گردی کی تہمت کو پھیلانے میں پوشیدہ انگیزے ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

منابع ومآخذ

۱. ابن کثیر، تفسیر قرآن العظیم، بیروت، دارالمعرفة، ۱۴۱۲.

۲. ابوالوفا، احمد محمد، القانون الدبلوماسی الاسلامی، دارالنهضة العربیه، ۱۹۹۲م.

۳. ابوزید الثعالبی المالکی، تفسیر الثعالبی، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۸ق.

۴. الاصفهانی، المفردات فی غریب القرآن، دفتر نشر الکتاب، الطبعة الاولی.

۵.الترمذی ،الشمائل المحمدیه ،بیروت ،مؤسسة الکتاب الثقافیه ، الطبعة الاولی ،۱۴۱۲ق.

۶.الحاکم النیسابوری ،المستدرک ،بیروت ،دارالمعرفة ،۱۴۰۶ .

۷.الحلی ،تذکرة الفقهاء،قم ،مؤسسة آل البیت علیهم السلام لا حیا التراث.

۸.الزحیلی ،وهبه ،العلاقات الدولیه فی الاسلام مقارنة بالقانون الدولی الحدیث،بیروت ،مؤسسة الرسالة ،۱۹۹۷ .

۹.الشامی ،الصالحی ، سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد : بیروت،دارالکتاب العلمیة،الطبعة الاولی ،۱۴۱۴ق.

۱۰.الشوکانی ،فتح القدیر،عالم الکتب.

۱۱.الصدر،محمد باقر ،رسالتنا،دارالکتاب الاسلامی ،۲۰۰۴م.

۱۲.الطباطبایی،محمد حسین ،المیزان فی تفسیرالقرآن ،بیروت ، مؤسسة الاعلمی للمطبوعات.

۱۳.العسقلانی ،ابن حجر ،فتح الباری فی شرح صحیح البخاری ، بیروت، دار المعرفة للطباعة و النشر، الطبعة الثانیة .

۱۴.العقاد،عباس محمود،حقائق الاسلام واباطیل خصومة ،بیروت ، دارالکتاب العربی،۱۹۹۶م.

۱۵.القرطبی ،الجامع لاحکام القرآن ،دار احیاء التراث العربی ، ۱۴۰۵ق.

۱۶ .المتقی الهندی ،کنزالعمال ،بیروت ،مؤسسة الرسالة .

۱۷ .بابایی،حبیب الله ،((حمایت از مسلمانان در غرب))،روزنامۀ جام جم ،۱۴۰۱/۱/۲۱،۸۴،شماره .

۱۸ .القاسمی ،ظافر ،الجهاد والحقوق الدولیة فی الاسلام ،بیروت ، دارالعلم للملاین ،الطبعة الاولی ،۱۹۸۲م.

۱۹ .شارل ،روسو،حقوق مخاصمات مسلحانه ،ترجمه سید علی هنجنی ،ج ۱ ،دفتر خدمات حقوقی بین المللی ،چاپ اول ،۱۳۶۹ .

۲۰ .عبد الرزاق،صلاح ،العالم الاسلامی والغرب ،رساله فوق لیسانس دانشگاه لیدن هلند ،بحث:نظریة الحرب هی الاصل به نقل از :

Khadduri: "The Islamic law of nations", Available at: http://www.darislam.com

۲۱ .عبدالطیف ،أمیمة،الاسلام السیاسی فی الصحف البرطانیة ،در پایگاه اینترنیتی قضایاسیاسیة.

http://www.IslamOnline.net

۲۲ .غنیمی .محمد طلعت ،قانون السلام فی الاسلام ،مصر،منشاة المعارف الاسکندریة ،بی تا .

۲۳ .فضل الله ،محمد حسین ،الاسلام ومنطق القوة ،الدارالاسلامیة ، الطبعة الثانیة ،۱۹۸۱م.

۲۴ .محمصانی ،صبحی ،القانون والعلاقات الدولیة فی الاسلام ، بیروت، دارالعلم للملاین ،۱۹۸۲م.

25- Mulrine, Anna, Europes Identity Crisis, US News 10 Jan 2005.

26- Time: february 28, 2005, vol. 165 no.9

پہلی قسط

اسلامی اتحاد ایک ثقافتی اور سیاسی تعمیر

محمد مہدی آصفی

ترجمہ: سید غلام حسین عابدی

اسلامی اتحاد کے لئے ہمارا تعمیری عمل، آج بھی اور مستقبل میں بھی ثقافت، سیاست اور معیشت کے ہر شعبہ کو لئے ہوئے ہے اور یہی وہ تعمیر ہے جس میں آج عالم اسلام کی طرف بڑے پیمانہ پر بڑھتے ہوئے ثقافتی، سیاسی، معیشتی چیلنجوں کے مقابلہ کی قوت پائی جاتی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ مدمقابل کے لئے ایک عالمی چیلنج بھی ہے اس بنا پر یہ تعمیر ''مقابلہ'' اور چیلنج'' کی دوہری حیثیت کی حامل ہے۔ البتہ یاد رہے کہ اسلامی چیلنج انسانیت کے لئے خیر و برکت کا تعمیری مقصد لئے ہوئے ہے، جب کہ اس کے برخلاف عالم اسلام کو چیلنج کرتے ہوئے مغربی اغراض، تہذیب و ثقافت کی بربادی، اخلاقی فساد اور سیاست و معیشت میں غلامی اور استحصال جیسے تخریبی پہلو لئے ہوئے ہے۔

مؤمنوں کی جماعت، رحمت خدا کے نزول کا سبب

امتوں اور افراد کی حیات میں خداوند عالم کی رحمتوں کے نزول کے کچھ اسباب ہوتے ہیں

اور اگر لوگ ان اسباب کو جان لیں تو اپنی معاشرتی زندگی میں اس کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہوں گے۔

ان اسباب میں سے توحید، ایمان، اخلاص، تقویٰ اور آپس میں تعاون ومحبت ہے اور نزول رحمت کے اسباب میں سے مسلمانوں کا اتحاد اور اجتماع ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے: خدا کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے اور جو جماعت کے خلاف دوڑتا ہے شیطان اس کے ساتھ ہے۔ [1]

یقیناً معاشرے کی زندگی میں خدا کے ہاتھ سے مراد قوت، نور اور بصیرت ہے لہٰذا جس جماعت کے اوپر خدا کا ہاتھ ہوگا یقیناً اس کے افراد قوی ہوں گے، نور خدا سے بابصیرت ہوں گے، نہ وہ ضعیف ہوں گے نہ گمراہ۔

جماعت کے ذریعہ حاصل ہونے والی قوت، کوئی عددی حالت نہیں ہے جو ہاتھوں کے اکٹھا ہونے یا تعداد کے بڑھنے سے حاصل ہوئی ہو بلکہ ایک خاص کیفیت کا نام ہے جو خدا کی مدد، اور ان پر اس کی عنایت، ہدایت، نصرت اور خدا کی طرف سے ان کی فریادرسی اور مصیبتوں، مشکلوں نیز آلام و مصائب میں خدائی نجات سے حاصل ہوتی ہے۔ مومنوں کا اجتماع اور اتحاد ہمیشہ خداوند عالم کی معیت کے ساتھ ہے ''**ید اللہ علی الجماعة**'' اور لوگوں کا اختلاف اور مؤمنوں کی جماعت میں انتشار ہمیشہ شیطان کی معیت کے ساتھ ہے ''**و الشیطان مع من خلاف الجماعة**''

مومنوں کی جماعت کے لئے خدا کا ہاتھ وہ حصار ہے جو انھیں گمراہی، ضلالت اور کج روی سے نجات دیتا ہے تو اگر کوئی جماعت سے جدا ہوا تو وہ خدا کے حصار کے دائرہ سے خارج ہو گیا، ظاہر سی بات ہے ایسا شخص شیطان کا ہی شکار بنے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ خدا کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے، پس اگر کوئی جدا ہوا تو اسے شیطان جھپٹ لے گا جس طرح سے گلے سے جدا بکری کو بھیڑیا جھپٹ لیتا ہے۔ [2]

ترقی پر گامزن جماعت

یہاں جماعت سے مراد، وہ جماعت ہے جو ہدایت کی شاہراہ پر کتاب اور سنت کی ہدایت لئے ہوئے خداوند عالم کی صراط مستقیم پہ گامزن ہے، جیسے مومنوں کا جہاد، نماز، جمعہ، دعا، مشورہ، دیدار، تعاون، ذکر خدا اور صالحین کی سیرت کے تذکرے .... وغیرہ کے لئے اکٹھا ہونا، یا جیسے مؤمنوں کا اجتماع، ظالموں کے ظلم وستم و جور واستبداد کے خلاف آواز اٹھانے اور اعتراض واحتجاج کرنے کے لئے ...، اس قسم کے اجتماعات راہ رشد وہدایت پر گامزن ہیں اور رحمت خدا کے نزول کا سبب ہیں، یقیناً ان پر خدا کی طرف سے رحمتوں کی بارش ہوتی ہے۔

یہاں وہ جماعت مراد نہیں ہے جو بدعتوں کے گرد اکٹھا ہو جاتی ہے اور صراط مستقیم، کتاب خدا اور سنت رسولؐ سے روگردان ہو جاتی ہیں۔

جماعت سے مراد وہ جماعت نہیں ہے جو غیر سلجھے لوگوں کا مجموعہ ہو جو شور وغل مچاتے ہوئے کسی کے بھی ہنکانے پر چل پڑتے ہیں اور ہوا کے ہر رخ پر بہہ جاتے ہیں جیسا کہ امیر المؤمنینؑ جناب کمیل سے فرماتے ہیں:

کمیل ابن زیاد کہتے ہیں: ایک دن حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے میرا ہاتھ تھاما اور قبرستان کی جانب لے گئے؛ وہ بیٹھے میں بھی بیٹھ گیا پھر انھوں نے میری طرف رخ کیا اور فرمانے لگے: کمیل! جو میں کہہ رہا ہوں اسے ہمیشہ یاد رکھنا؛ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں، عالم ربانی، راہ نجات کے طالب اور پست و بے عقل لوگ جو کسی کے بھی ہنکانے پر چل پڑتے ہیں اور ہوا کے ہر رخ پر بہہ جاتے ہیں، نہ نور علم سے روشنی لیتے ہیں اور نہ مضبوط سہاروں سے مدد لیتے ہیں۔ [۳]

اس حدیث میں راہ رشد وہدایت پر گامزن پہلا اور دوسرا گروہ ہے اور تیسرا گروہ شور وغل مچاتا، غیر سلجھا، ہر ہنکانے پر چل پڑنے والا، پست اور بے عقل ہے۔ اب چاہے ان کی تعداد کتنی بھی زیادہ ہو، پہلا گروہ، علم ومعرفت کا گروہ ہے، اولیاء الٰہی کا گروہ ہے، جنھیں خداوند عالم نے معرفت اور

بصیرت عطا کی ہے اور دوسرے گروہ والے بھی اہل معرفت کی ہدایت سے مستفید ہیں اور ان کے نور معرفت سے روشنی لے رہے ہیں یہ دونوں گروہ راہ ہدایت پر گامزن اور کامیاب ہیں۔

لیکن تیسرے گروہ کے لوگ نہ تو نور علم سے روشنی لیتے ہیں اور نہ اہل علم و معرفت کے مضبوط سہاروں کا سہارا لیتے ہیں۔ امام علیہ السلام ان کی تین خصلتوں کی اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ معاشرہ میں شور وغل بپا کرنے والا، پست اور بے عقل گروہ۔

۲۔ ہر ہنکانے پر چل پڑنے والا گروہ جو بڑی آسانی سے کسی کی بھی پیروی اختیار کر لیتا ہے اور عاقلوں کی طرح نہ غور وفکر کرتا اور نہ سنجیدہ ہوتا ہے۔

۳۔ ہوا کے ہر رخ پر بہہ جانے والا گروہ؛ یہ وہ معاشرتی بہاؤ میں بہہ جانے والا گروہ ہے جو موج کی طرح ہوا کے ہر رخ پر اِدھر اُدھر ڈولتا رہتا ہے۔

اس گروہ کے لوگ نور علم سے روشنی حاصل نہیں کرتے ہیں؛ جس طرح سے کہ پہلا گروہ ہے، جنھیں خداوند عالم نے علم و معرفت سے نوازا ہے۔ نہ وہ مضبوط سہاروں کا سہارا لیتے ہیں؛ جس طرح سے کہ دوسرا گروہ ہے جو اہل علم و معرفت کی پیروی کرتا ہے اور ان سے مدد مانگتا ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جو ہدایت کے راستوں سے دور اور گمراہ ہے اس کے برخلاف ہدایت یافتہ گروہ ہے جس پر خداوند عالم کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ: ''سنت''، ''بدعت''، ''جماعت'' اور ''فرقت'' کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''سنت'' خدا کی قسم حضرت محمدؐ کی سیرت کو کہتے ہیں اور ''بدعت'' ان کی سیرت سے جدائی کو کہتے ہیں۔ ''جماعت'' اہل حق کے اتحاد کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہوں اور ''فرقت'' یعنی انتشار، اہل باطل کے اکٹھا ہونے کو کہتے ہیں چاہے وہ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ [۴]

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امت کی جماعت کے

بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میری امت کے اہل حق کا جمع ہونا چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہوں۔ ۵

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کی امت کی جماعت کیا ہے تو آپ نے فرمایا: وہ گروہ جو حق پر ہو، چاہے اس میں دس ہی افراد کیوں نہ ہوں۔ ۶

یہ وہ گروہ ہے جو راہ راست پر گامزن اور ہدایت یافتہ ہے اس پر خداوند عالم کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

مومنوں کے اجتماع کی جھلکیاں

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تاریخ کے دامن سے اہل کتاب کے اتحاد اور انتشار کی جھلکیاں پیش کرتے ہوئے، بنی اسماعیل، بنی اسحاق، بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جب وہ اکٹھا اور متحد تھے، ان کے دل آپس میں جڑے ہوئے تھے تو خداوند عالم نے اپنی برکت و رحمت کو ان پر نازل کر دیا لیکن جب ان میں تفرقہ اور انتشار پھیل گیا اور ان میں پھوٹ پڑ گئی ان کے دل نفرتوں سے بھر گئے تو خداوند عالم نے اپنی برکت و رحمت کو ان سے چھین لیا اور انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

آپ فرماتے ہیں: دیکھو جب وہ لوگ اکٹھا تھے، جذبات یکساں تھے، دل جڑے ہوئے تھے ہاتھ بٹے ہوئے تھے، تلواریں نصرت کے لئے آمادہ تھیں، اور سب کے عزم ایک تھے، تو ان دنوں وہ کیسے تھے؟

کیا زمین کی وسعتوں پہ وہ حاکم اور لوگوں کی تقدیر کے وہ مالک نہ تھے؟!

پھر دیکھو ان کا انجام کیا ہوا جب ان میں تفرقہ پھیل گیا الفتیں ختم ہو گئیں، زبان اور دل ایک دوسرے سے ہٹ گئے، مختلف گروہوں میں بٹ گئے، اور جنگی فرقہ واریت پھیل گئی، تو خداوند عالم نے ان سے لباس اتار لیا، ان سے بیشمار نعمتوں کو چھین لیا، اور آج عبرت کے لئے ان کے صرف قصے

رہ گئے ہیں۔اولاد اسماعیل اور بنی اسحاق و بنی اسرائیل کی سرگزشت سے عبرت حاصل کرو کس قدر اس قوم سے ہمارے حالات ملتے جلتے ہیں اور ان کے کردار و کیفر کردار سے کتنی مشابہت پائی جاتی ہے۔

غور کرو ان کے تفرقہ اور انتشار کی راتیں کیسی تھیں، جب قیصر و کسریٰ انھیں اپنا غلام بنائے ہوئے تھے اور ان سے لہلہاتے باغات، عراق کی نہریں، سرسبز و شاداب زمینیں چھین کے ایسی جگہ جھونک دیا جہاں کی زمین بنجر، جہاں کی تیز ہواؤں سے حفاظت کا کوئی انتظام نہیں، جہاں غربت ہی غربت تھی۔ے

اتحاد کے ستون

اتحاد ایک ''اصل مسلم''، ''فقہی احکام''، ''اخلاقی اقدار'' و ''علمی اور عملی بنیادوں'' پر استوار ہے جب تک یہ چار ستون اکٹھا نہیں ہوں گے نہ یہ عمارت کھڑی ہوسکتی ہے اور نہ ہی اپنے عظیم مقصد کو دنیا میں محقق کرسکتی ہے۔

انشاءاللہ ہم ذیل میں ان چاروں ستونوں میں ہر ایک پر مختصر اور مفید گفتگو کرتے ہیں:

ا۔اتحاد، اصل مسلم

اتحاد، اسلام اور اسلامی معاشرہ میں ایک اصل مسلم ہے یعنی علمی، فکری، سیاسی، معاشی موارد اختلاف کے حل میں، اتحاد ایک اساس ، معیار، پیمانہ اور میزان ہے۔

یعنی جب ہمارے درمیان کوئی علمی، سیاسی یا معاشی اختلاف ہو تو اس اختلاف کے ساتھ احسن طریقہ سے پیش آنے کے لئے اتحاد ایک اصل مسلم، اساس، معیار اور پیمانہ ہے البتہ اس کا مطلب اختلاف نظر، اجتہاد اور مخالف نظریہ کو سرے سے ختم کرنا نہیں ہے، کیوں کہ نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ ہی درست ہے... ہاں! ہمیں مسلمانوں کے آپسی علمی، عملی اور سیاسی موارد اختلاف میں سلجھے ہوئے

علمی اور عملی طریقوں سے پیش آنا چاہئے اور مسلمانوں کے موارد اختلاف میں پیش آنے کے لئے اتحاد ہی وہ سلجھا ہوا علمی اور عملی طریقہ ہے اور قرآن کریم نے بہت سی جگہ اس اصل مسلم کی واضح طور سے تاکید کی ہے۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: خدا کی رسی (حبل اللہ) ۸ کو تم سب لوگ مضبوطی سے تھام لو اور اختلاف نہ کرو اور خدا کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے۔ تو تمھارے دلوں میں الفت پیدا کی اور خدا کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہو گئے اور جب کہ تم ہلاکت کے دہانے پر تھے، تو خدا نے تم کو اس سے نجات دی۔ خدا اپنی آیتوں کو آشکار کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پا جاؤ اور تمھیں ایسی امت ہونا چاہئے جو نیکیوں کی طرف دعوت دیتی ہے اچھائیوں (معروف) کا حکم دیتی ہے اور برائیوں (منکر) سے روکتی ہے، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور ان کی طرح نہ ہو جنھوں نے روشن دلیلوں کے باوجود تفرقہ اور اختلاف کیا۔ ۹

خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو کہ شکست کھا جاؤ گے اور تمھارا دبدبہ ختم ہو جائے گا اور صبر سے کام لو بے شک خدا صابروں کے ساتھ ہے۔ ۱۰

یقیناً جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور چند گروہوں میں بٹ گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۱

ان لوگوں نے علم آ جانے کہ بعد (جان بوجھ کے) آپسی خلش کی بنا پر ہی اختلاف کیا اور اگر آپ کے پروردگار کی بات (یعنی سزا) پہلے سے وقت مقرر کے لئے قرار پا گئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب، وراثت میں ملی وہ بھی اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱۲

اختلاف ایک حادثہ ہے جو رونما ہوا، اور اتحاد ایک اصل مسلم ہے ضروری ہے کہ ہم اس واقعہ سے اس اصل مسلم کے ذریعہ نپٹیں ہم جب فقہ اور عقائد کے اختلافی مسائل پر اس طرح نظر کریں گے

تو سارے دلائل کونظر انداز کرتے ہوئے ایک دلیل پر جمود سے باز آجائیں گے، یقیناً صحیح راستہ یہی ہے کہ ہم دونوں کے نظریہ اور ان کے دلائل کو بھی ایک ساتھ پرکھیں اور اختلاف نظر کی صورت میں اتحاد کو اصل مسلم قرار دیں۔

اختلاف ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور انکار کرنا صحیح بھی نہیں ہے ،نظریہ، دلائل اور اجتہاد میں اختلاف کونظر انداز کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا کیا تو گویا ہم نے نظریہ اور دلائل کونظر انداز کر دیا جب کہ نظریہ اور دلائل کونظر انداز کرنا دوسرے دلائل کی روشنی کے بغیر ہرگز صحیح نہیں ہے۔

ہاں! اس اختلاف کے ساتھ ساتھ صحیح طریقہ سے پیش آنے کے لئے ایک میزان بنایا ہے اور وہ میزان اتحاد ہے اس مسئلہ کی اسلام میں بے حد اہمیت ہے، ہمیں اختلاف نظر کے وقت کیسے پیش آنا چاہئے؟ اختلاف نظر کی صورت میں آیا ایک دوسرے کو جھٹلانا جائز ہے؟ آیا فقہ، اصول اور سیاست میں اختلاف، جدائی، دوری، جھٹلانے اور انکار کرنے کے معنی میں ہے یا تفہیم وتفاہم اور بحث وگفتگو کے معنی میں ہے؟

۲۔فقہ اتحاد

ہم نے عرض کیا کہ اتحاد ایک ''اصل مسلم''، ''فقہی احکام''، ''اخلاقی اقدار'' اور علمی اور عملی بنیادوں پر استوار ہے اور اصل ہم نے اتحاد کے سلسلے میں گفتگو کی، یہاں ہم اتحاد کے فقہی گوشوں کی طرف روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔فقہ میں اتحاد کے لئے بہت سے قانون اور احکام پائے جاتے ہیں اور یہ فقہ اسی اصل سے لی گئی ہے ''فقہ اتحاد'' سے مراد وہ فقہی احکام ہیں جو مسلمانوں کی باہمی زندگی کو استوار کرنے کے لئے بیان ہوتے ہیں اور فقہ کی بنیاد پر باہمی زندگی کے اصول معاشرے کی ضروریات میں سے ہیں۔

یقیناً ایک اسلامی معاشرہ، عبادات، قضاوت اور معاملات کے لحاظ سے نیز فردی اور شہری خصوصیات اور احکام کے لحاظ سے فقہ کے مختلف مذاہب سے مل کے بنا ہوا ہے جسے ایک خاص فقہ میں پرونا ممکن نہیں ہے۔

فقہ اہل بیت علیہم السلام میں باہمی زندگی کے لئے خاص احکامات اور قوانین پائے جاتے ہیں جن میں سے تین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف۔ حکم تقیہ

یعنی یہ کہ مذہب اہل بیت علیہم السلام کے ماننے والے مسلمان کو چاہئے کہ معینہ عبادات میں اہل سنت کے فقہی مذاہب پر عمل کرے مثال کے طور پر نماز جماعت میں ان کے ساتھ نماز پڑھے اور جس دن تمام مسلمان عید مناتے ہیں عید منائے چاہے عید کی تشخیص میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو اور اس دن روزہ رکھنا ممکن نہ ہو تو افطار کرلے پھر دوسرے دن قضا کرلے۔

عرفات میں وقوف کا جس دن اعلان کیا گیا ہے اسی دن وقوف کرے چاہے اس کی تشخیص کچھ اور ہی کیوں نہ ہو تقیہ صرف حکام کے ظلم وستم کے خوف سے بچنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی تشریع کا سبب، مظاہر عبادت میں یکسانیت، دلوں میں الفت پیدا کرنے اور عبادت کی شکل وصورت میں اتحاد برقرار رکھنے کے لئے ہے۔

ب۔ قاعدہ الزام والتزام

مسلمانوں میں فقہ کی بنیاد پر باہمی زندگی گزارنے کے لئے یہ دوسرا قانون ہے اور اس میں دو باتیں پوشیدہ ہیں:

۱۔ قاعدۂ التزام :

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام عقود اور معاملات جو دوسرے مذاہب کے مطابق انجام پائے ہیں وہ سب صحیح ہیں پس اگر ان کے مطابق طلاق انجام پائی ہو تو ان کی طلاق شدہ عورت سے شادی کرنا جائز ہوگا جیسا کہ ان کی شریعت میں ہے اور اگر بعض مذاہب اہل سنت کے نزدیک میراث صحیح ہو جب کہ مذہب اہل بیت علیہم السلام کے مطابق صحیح نہ ہو تو بھی ہم ان کے مذہب کے مطابق میراث پانے والے کو مالک قرار دیں گے۔ یہ ہے قاعدۂ الزام والتزام کا ایک مطلب اور اس قاعدہ کی فقہ میں خاص کر اتحاد کی فضا کو برقرار رکھنے میں بہت اہمیت ہے۔

۲۔قاعدۂ الزام:

دوسرے معنی یہ ہیں کہ مشترکہ معاملات میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو ان کے مذہب کے مطابق صحیح معاملہ پر مقید کرنا اور ان سے ویسا ہی مطالبہ کرنا جیسے اگر کوئی دوسرے مذہب کا شخص انتقال کر جائے اور اس کے وارثوں میں کوئی مذہب اہل بیت علیہم السلام کا ماننے والا ہو جو میت کے مذہب کے مطابق ارث کا حقدار ہو لیکن مذہب اہل بیت علیہم السلام کے مطابق میراث کا حقدار نہ ہو تو قاعدہ الزام کے مطابق شیعہ وارث کے لئے صحیح ہے کہ میت کے مذہب کے مطابق میراث کا مطالبہ کرے اور میراث پانے کی صورت میں اس کی ملکیت بھی درست ہوگی۔

چنانچہ یہ قاعدہ بھی فقہ میں اتحاد کی فضا برقرار رکھنے اور مذہب اہل بیت علیہم السلام کے ماننے والوں کے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ مشترکہ معاملات کو درست اور استوار کرنے میں بہت اہمیت کا حامل ہے اور اس بابرکت اور عظیم قاعدہ کی بنا پر مسلمانوں میں فقہ کی بنیاد پر باہمی زندگی کی سالم فضا برقرار ہے۔

اسلامی معاشرہ میں فقہ کے مختلف مذاہب کے درمیان اتحاد کے سایہ میں سالم باہمی زندگی

نہایت اہم مسئلہ ہے...ضروری ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اور اس باہمی زندگی کے لئے فقہ میں قانون بھی ہے کچھ اصول نیز اخلاقی اقدار بھی ہیں اور قاعدہ الزام والتزام انھیں قواعد فقہیہ میں سے ہے جس کی بنا پر معاملات اور فردی احکام میں اختلافی مسائل فقہی اور شرعی طریقہ سے سلجھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ج۔قاعدۂ حفاظت اور حرمت

فقہ میں اتحاد کے لئے تیسرا قاعدہ ''مسلم کی حفاظت اور حرمت'' کے نام سے ہے جو اسلامی قواعد فقہ میں نہایت اہم اور بابرکت قاعدہ ہے اگر قاعدہ ''الزام'' اور ''تقیہ'' صرف فقہ اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے تو یہ قاعدہ حفاظت اور حرمت اسلام کے تمام مذاہب میں یکساں پایا جاتا ہے، اس قاعدہ کی مختصر توضیح یوں ہے:

اسلام کسی بھی مذہب کے ماننے والے مسلمان کو جو اصول وفروع دین میں سے ضروریات کا انکار نہیں کرتا ایسی حفاظت عطا کرتا ہے کہ کسی کو اجازت نہیں کہ بغیر حق بجانب دلیل کے اسے کسی قسم کا نقصان پہنچائے۔

مسلمان کی حرمت کعبہ کی حرمت سے عظیم تر

عبداللہ بن عمر سے نقل ہے: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: کس قدر خوب ہے تو اور خوب ہے تیری خوشبو، کس قدر عظیم ہے تو اور عظیم ہے تیری حرمت لیکن قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے خدا کے نزدیک مومن کی حرمت تیری حرمت سے عظیم تر ہے۔ نیز روایت ہے کہ امام باقرؑ نے کعبہ کا رخ کیا اور فرمایا: تعریف ہے اس خدا کی جس نے تجھے کرامت عطا کی اور تجھے لوگوں کا پرامن گھر قرار دیا لیکن خدا کی قسم مومن کی حرمت تجھ سے

عظیم تر ہے۔[۱۳]

روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے کعبہ کا رخ کیا اور فرمایا تعریف ہے اس خدا کی جس نے تجھے کرامت عطا کی اور تجھے لوگوں کا پرامن گھر قرار دیا لیکن خدا کی قسم مؤمن کی حرمت تجھ سے عظیم تر ہے۔[۱۴]

مسلمانوں کی حرمت تمام حرمتوں سے عظیم تر

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: مسلمان کی حرمت تمام حرمتوں میں بافضیلت تر ہے۔ عقد اور معاملات میں مسلمانوں کے حقوق اخلاص اور توحید کی بنا پر مستحکم ہیں پس مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان سالم رہیں سوائے یہ کہ جہاں حق ہو اور مسلمان کو اذیت پہنچانا جائز نہیں ہے سوائے یہ کہ جہاں واجب ہو جائے۔[۱۵]

ہر مسلمان، مسلمان کے لئے محترم ہے

اور یہ حفاظت عامہ سب کے لئے ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس سے خیانت کرتا ہے، نہ اسے جھٹلاتا ہے، نہ اسے ذلیل کرتا ہے ہر مسلمان کی عزت، آبرو، مال اور جان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔[۱۶]

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے ذلیل وخوار کرتا ہے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے محترم ہے۔[۱۷]

احمد حنبل اپنی مسند میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: ہر مسلمان کی جان و مال و عزت وآبرو دوسرے مسلمان کے لئے محترم ہے۔[۱۸]

انس بن مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جو ہمارے قبلہ کی طرف رخ

کرے، ہماری طرح نماز پڑھے، اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھائے تو اس کے لئے تمام وہ چیزیں ہیں جو ہمارے لئے ہیں اور اس پر تمام وہ چیز عائد ہیں جو ہم پر عائد ہوتی ہیں۔[19]

امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: خداوند عالم نے اسلام کو اپنا دین قرار دیا، اور کلمہ اخلاص کو اپنا حصار قرار دیا پس جو ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہماری طرح کلمہ پڑھے، ہمارے ذبح کئے ہوئے کو حلال جانے تو وہ مسلمان ہے اس کے لئے وہ تمام چیزیں ہیں جو ہمارے لئے ہیں۔ اور اس پر تمام وہ چیزیں عائد ہیں جو ہم پر عائد ہوتی ہیں۔[20]

اسلام، جان و مال کا محافظ

امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جہاد کا حکم ہے جب تک وہ لوگ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں اور جب انھوں نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو ان کی جانیں اور ان کے مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے سوائے حق اور شریعت کے اور ان کا حساب خدا پر ہے۔[21]

صحیح مسلم میں اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک جنگ پر بھیجا وہاں ایک آدمی نے مجھے دیکھتے ہی لا الہ الا اللہ کہنا شروع کر دیا لیکن میں نے اس پر وار کر دیا، پھر اس بارے میں میرے دل میں کچھ تشویش ہوئی تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تذکرہ کیا تو رسول خداؐ فرمانے لگے کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟! تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ اس نے تو تلوار کے ڈر سے کہا تھا؛ فرمانے لگے: کیا تم نے اس کے دل کو چیر کے دیکھا تھا کہ تمھیں پتا چلتا کہ دل سے کہہ رہا تھا یا ڈر کے؟! پھر اس بات پر اتنا زور دیا کہ میں آرزو کرنے لگا تھا کہ کاش اس دن تلوار میں نے پھینک دی ہوتی۔[22]

حوالے

۱۔میزان الحکمۃ ،۲/۱۶۶ الجماعۃ

۲۔میزان الحکمۃ ،۲/۱۶۶ الجماعۃ

۳۔بحارالانوار ج/۱ص/۱۸۸

۴۔بحارالانوار، ج/۲ص/۲۶۶

۵۔بحارالانوار، ج/۲ص/۲۶۶

۶۔بحارالانوار، ج/۲ص/۲۶۶

۷۔نہج البلاغہ خطبہ۱۹۲

۸۔حبل اللہ سے مراد اہل بیت علیہم السلام ہیں۔(مترجم)

۹۔سورہ آل عمران/۱۰۳۔۱۰۵

۱۰۔سورہ انعام/۴۶

۱۱۔سورہ انعام/۱۵۹

۱۲۔شوریٰ/۱۴۔۱۵

۱۳۔سنن ابن ماجہ۱۲۹۷/۲ح/۳۹۳۲۔دارالفکر تحقیق محمد فواد عبدالباقی

۱۴۔بحارالانوار، ج/۱۷ص/۲۳۳، ط۱۹۸۳۲،دارالاحیاء التراث (بیروت)

۱۵۔شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید المعتزلی ۹/۲۸۸ بتحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم

۱۶۔سنن الترمذی، ج/۲ص/۲۱۸ح ۱۹۹۲ط/۲دارالفکر بیروت ۱۴۰۳ بتحقیق عبدالرحمٰن عثمان

۱۷۔مسند احمد ج/۲ص/۲۷۷ دار صادر بیروت سنن ابن ماجہ ج/۲ص/۲۹۸ح/۳۹۳۳

۱۸۔مسند احمد ج/۲ص/۳۶۰

۱۹۔الخصال للصدوق ص/۱۷۸ح/۲۳۷ ، ط/رقم ۱۴۰۳ تصحیح الشیخ الغفاری البحار ج/۶۵ص/۲۶۹

شرح السیر الکبیر للسرخی ۵۵/۱ط مصر بتحقیق واصلاح الدین المنجد

۲۰۔نوادر الراوندی: ۱۴۰: ط/ادارالحدیث قم بتحقیق سعید عسکری، بحارالانوار ۶۸/۲۸۸

۲۱۔صحیح بخاری ج/۲ص/۱۳۱وصحیح مسلم ج/اص/۵۱ ح/۳۲وسنن ابی داؤد ج/۲: ۹۳ ح/۱۵۵۶وسنن الترمذی ج/۵ص/۳ ح/۲۶۰۶وسنن ابن ماجہ ج/۲ص ۱۲۹۵ ۳۱ ح/۳۹۲۷وسنن النسائی ج/۷ ص/۷۷وسنن احمد بن حنبل ج/اص/۱۱و۱۹والسنن الکبریٰ ج/۸ص/۱۷۶۔۱۷۷، واحکام القرآن للجصاص/۳ص/۴۰۱وفتح الباری ج/۱۲ص/۲۷۵وفی البعض منھا تفاوت یسیر فی اللفظ

۲۲۔صحیح مسلم ج/اص/۹۷، کنز العمال ج/اص/۳۰۹، الدر المنثور للسیوطی ج/۲ص/۲۰۲

(باقی آئندہ)

از خطبہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام:

”...و طاعتنا نظاما للملّة و امامتنا اماناً للفرقة“

...اور ہماری (اہلبیتؑ) کی اطاعت کو خدا نے قوم کو منظّم کرنے اور ہماری امامت کو تفرقہ سے محفوظ رہنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(الاحتجاج، ج۱/ص۱۴۶۔۱۳۱)

اتحاد کے علمبردار

شرف الدینؒ اتحاد کے علمبردار مجاہد

۞ ڈاکٹر مرضیہ بہبہانی

۞ ترجمہ: سید شجاعت حسین گوپالپوری

''شرف الدین عاملیؒ نے سامراجی طاقت سے مقابلہ کے دوران جب تفرقہ و اختلاف عروج پر تھا، مذاہب اسلامی خاص طور سے شیعہ اور سنی کے درمیان اتحاد برقرار کرنے میں کلیدی رول ادا کیا تھا۔ اس مقالہ میں شرف الدین عاملی کی سوانح حیات بیان کرنے کے بعد وحدت اسلامی کے سلسلے میں ان کی فعالیت کا تجزیہ کیا جائے گا۔ پھر ان کی تالیفات خاص طور سے دو مشہور کتابیں ''المراجعات'' اور ''الفصول المہمہ'' کا جائزہ لیا جائے گا''

سیاست نے روز اول ہی سے شیعہ اور سنی کو جدا کیا اور آج سیاست (اور اسلام کی سیاسی دور اندیشی) ہی انھیں اکٹھا کر سکتی ہے۔

علامہ سید عبد الحسین شرف الدین ۱۲۹۰ھ میں کاظمین میں پیدا ہوئے تھے، آپ نجیب الطرفین سید تھے، آپ کے والد سید یوسف شرف الدین تھے اور ماں بانو زہرا بنت آیۃ اللہ سید ہادی

صدر تھیں، آپ کا پدری سلسلۂ نسب شیعوں کے ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے آپ ۸ سال کی عمر تک عراق میں رہے پھر والد کے اتمام درس کی وجہ سے ان کے ہمراہ عراق سے اپنے آبائی وطن ''جبل عامل'' (لبنان) منتقل ہو گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم جبل عامل میں حاصل کی اور صرف، نحو، منطق، معانی و بیان اور فقہ و اصول کے لئے والد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں نجف اشرف تشریف لے گئے تھے اور وہاں فقہ و اصول، حکمت اور تفسیر و حدیث کو برسوں اہم اساتیذ سے کسب کیا تھا۔ جن اساتیذ سے آپ نے کسب فیض کیا تھا ان میں شیخ حسین کربلائی، شیخ محمد طٰہٰ نجف، آخوند ملا کاظم خراسانی سید محمد کاظم یزدی، سید اسماعیل صدر، شیخ الشریعۃ اصفہانی اور سید حسن صدر ہیں۔ آپ نے حوزہ نجف ہی سے استفادہ نہیں کیا تھا بلکہ کربلا و کاظمین اور سامرا جا کر وہاں کے اساتیذ سے بھی کسب فیض کیا تھا۔

حوزۂ نجف اور عراق کے دیگر حوزوں میں پندرہ سال سعی و کوشش کے بعد درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے تھے اور وہیں فقہی مباحث پر قلمی خدمت کا آغاز کیا تھا، مسلم الثبوت مجتہد بننے کے بعد ۳۲ سال کی عمر میں آپ نے نجف اشرف سے جبل عامل کا رخ کیا تھا کیوں کہ کبھی بھی حقیقی علماء رائج علوم اور علمی مراتب کے بعد اپنی سعی و کوشش کو روکتے نہیں ہیں اس لئے کہ ان مراتب کو وہ اصل مقصد نہیں سمجھتے ہیں بلکہ علم و معرفت کی تلاش میں رہتے ہیں علامہ شرف الدینؒ نے اسی راہ کو اختیار کیا تھا اور اپنی معلومات سے استفادہ کرتے ہوئے حکمتِ امامت اور شیعہ اور سنی کے درمیان اختلافات کے مختلف گوشوں کو بیان کیا۔ اس بارے میں آقا بزرگ تہرانی لکھتے ہیں:

''شیعہ اور سنی کتابوں میں موجود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ اور اہلبیتؑ سے مروی احادیث کا شرف الدین نے اتنا دقیق مطالعہ کیا تھا کہ ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ساری حدیثوں کا مطالعہ کیا تھا'' [۱]

۱۔ ''نقباء البشر'' تالیف شیخ آقا بزرگ تہرانی ج ۳/ص ۱۰۸۳/ منقول از شرف الدین تالیف محمد رضا حکیمی۔

شرف الدین نے سب سے زیادہ جس موضوع پر تحقیق کیا تھا وہ تاریخ اسلام ہے آپ نے تاریخ اسلام کے اسناد و مدارک کا اس لئے بڑی دقت سے مطالعہ کیا تھا تا کہ معتبر کو غیر معتبر سے اور خیالات کو حقائق سے جدا کر سکیں۔

آپ علم حدیث پر احاطہ رکھنے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے متکلم بھی تھے، آپ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ آپ نے عقائدی مسائل کو عقلی استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔

خطابت، شاعری اور نثر نگاری میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی خطابت نے آپ کو ایک خطیب کی حیثیت سے پہچنوایا تھا، آپ بلند مطالب کو بڑے اچھے الفاظ میں پیش کرتے تھے آپ کی فصیح و بلیغ تقریریں، ادبی نکات پر آپ کے تسلط کی نشان دہی کرتی تھیں چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ مصر میں ایک اجتماع میں علامہ شرف الدینؒ نے تقریر کرنی شروع کی، اس اجتماع میں مشہور صحافی ''می زیادہ'' [۱] بھی تھی جب اس نے دیکھا کہ شرف الدین تقریر کے دوران اپنی انگوٹھی گھما رہے ہیں تو اس نے کہا: [۲]

''آپ کی نثر نگاری ایسی ہے جس کو ادب سے آگاہ تشخیص دے سکتا ہے کہ یہ اسلوب شرف الدین کا ہے آپ کی شاعری بھی بہت پایہ کی ہے، شاعری میں طبع آزمائی زیادہ تر جوانی میں کی تھی''۔ [۳]

شرف الدین نے لبنان واپس آنے کے بعد دو محاذ پر مقابلہ کیا تھا ایک فدرالیسم (FEDERALISM) کے خلاف اور دوسرے سامراجی طاقت کے خلاف آپ ہی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ سامراجی طاقت کے خلاف جس عالم دین نے سب سے پہلے قدم اٹھایا وہ شرف الدین ہیں جب فرانس نے لبنان اور شام پر قبضہ کیا تو آپ سامراجی طاقت کے مقابلے کے لئے

۲۔ لبنان کی مشہور ادیب و قلمکار جن کی متعدد تالیفات ہیں ان میں چند یہ ہیں: باحثۃ البادیہ، المساواۃ، سوانح فتاۃ۔

۳۔ شرف الدین: تالیف محمد رضا حکیمی ص ۷۳، ۷۲۔

۴۔ مقدمہ اجتہاد در مقابل نص ص ۱۱۔

کھڑے ہوئے اور جہاد کا فتویٰ دیا اسی وجہ سے آپ کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

آپ نے دو مرتبہ مصر کا سفر کیا تھا ایک مرتبہ پھانسی کی سزا سے پہلے اور دوسری مرتبہ اس وقت جب فرانسویوں نے لبنان میں آپ کو اپنے سیاسی منافع اور سامراجی مقاصد کے لئے خطرناک دیکھا تو آپ نے مصر میں پناہ لی تھی اور وہاں بیگانوں کے مقابلے میں سب کو متحد ہونے کی دعوت دی تھی اور یہ شعار دیا تھا: ''**فرقتهما السياسة فلتجمعهما السياسه**''یعنی شیعہ اور سنی کو سیاست اور سیاسی منافع نے جدا کیا اور اب سیاست ہی انھیں متحد کرے۔ آپ کے اس بیان کو مشہور مصری صحافی ''رشید رضا'' نے مجلّہ ''المنار'' میں شائع کیا تھا۔[1]

مصر سے پہلی مرتبہ واپسی کے بعد بھی شرف الدین نے سامراجی طاقت سے مقابلے کا سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ فرانسیسیوں نے ایک شخص کو مامور کیا کہ وہ آپ کے گھر جا کر آپ کو گرفتار کرے اور فرانس کے خلاف جو کاغذات وغیرہ ہوں ان کو لے کر آئے مگر اس کو اس میں کامیابی نہیں ملی، دوسری مرتبہ سامراجی غلاموں نے آپ کے گھر میں آگ لگا دی اور کتب خانہ جس میں آپ کی اہم غیر مطبوعہ کتابیں تھیں نذر آتش ہو گئیں۔

۱۳۳۸ھ میں مصر سے رخت سفر باندھا اور وطن سے نزدیک رہنے کی وجہ سے فلسطین آئے، فلسطین اور شام میں بھی اجتماعی فعالیت انجام دیتے رہے۔ آپ لبنان سے شہر بدر ہوئے افراد کی خبر گیری کرتے تھے۔ اس وقت فلسطین برطانیہ کے قبضے میں تھا چونکہ شرف الدین کے ماموں زاد بھائی کی تلاش میں برطانوی تھے اسی وجہ سے فرانسوی ان کو اچھی نظر سے دیکھتے تھے، انھوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پھانسی کا حکم منسوخ کروا دیا تا کہ شرف الدینؒ وطن واپس آسکیں۔

۱۳۴۰ھ میں اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک کشتی سے بیروت سے حج کے لئے تشریف لے گئے، سعودی عرب میں حکومتی عہدیداروں اور اس وقت کے بادشاہ ملک حسین کے نمائندے کے

۱۔ مقدمہ النص والاجتہاد، ص۱۴ منقول از شرف الدین تالیف محمد رضا حکیمی ص۲۰۰

توسط سے آپ کا پر جوش استقبال ہوا۔ اس سال حج میں شرف الدین کی شرکت کی وجہ سے مراسم حج پُرشکوہ انداز میں ادا ہوئے، خانہ کعبہ کی غبار روئی اور عطر افشانی میں ملک حسین کے ہمراہ شرکت کی اور بادشاہ کے ایماء پر مسجد الحرام میں نماز جماعت پڑھائی، مسجد الحرام میں یہ پہلی نماز تھی جو کسی شیعہ عالم دین کی اقتدا میں انجام پائی اور سارے مسلمانوں نے خواہ وہ شیعہ تھے یا سنی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی، یہ افتخار شرف الدین کو حاصل ہوا اور ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی کہ شیعہ اور سنی ایک صف میں مسجد الحرام میں بغیر کسی تقیہ کے برادرانہ طور پر اہلبیتؑ کی روش کے مطابق نماز جماعت پڑھیں۔[1]

شیعہ اور سنی اتحاد کے سلسلے میں علامہ شرف الدین کا ایک کارنامہ پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کی مناسبت سے ۱۲ ربیع الاول کو [2] جشن منانا تھا، جب مسجد اور آپ کے گھر میں جشن کا پروگرام ختم ہو جاتا تھا تو آپ اہلسنت کے جشن میں شرکت کرتے تھے۔

سامراجی طاقت سے مقابلے کے سلسلے میں علامہ شرف الدین کا اہم ترین اصلاحی کارنامہ لبنان میں اسلامی اسکولوں کا قائم کرنا تھا، ان میں مسلمان بچے اور بچیاں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ معارف اسلامی سے بھی آشنا ہوتے تھے، آپ نے یہ اسکول عیسائیوں اور حکومتی اسکولوں کے مقابلے میں قائم کئے تھے جن میں مغربی طرز پر تعلیم دی جاتی تھی۔

لبنان کے مسلمانوں کے قائد ہونے کی وجہ سے شرف الدین کے لئے ممکن نہیں تھا کہ اسلامی ممالک کے سیاسی مسائل سے بے اعتنائی برتتے، اسی وجہ سے آپ اسلامی ممالک میں انقلابی تحریکوں کی ہمیشہ حمایت کرتے تھے۔ آپ مصر میں عربی تحریک اور ۱۹۵۶ء میں سوئز چائنل کے ملی ہونے کی ترغیب وتائید کرتے تھے۔

۱۔ شرف الدین چاووش وحدت، تالیف: مصطفیٰ قلی زادہ

۲۔ شیعہ پیغمبر اسلامؐ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول مانتے ہیں لیکن اہلسنت کی روایت کے مطابق تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے اسی لئے ۱۲ ربیع الاول سے ۱۷ ربیع الاول کو ہفتہ وحدت کہتے ہیں۔

۱۳۲۹ش (مطابق ۱۳۷۰ھ) میں ایران میں تیل کو جب قومی ملکیت بنایا گیا تو شرف الدین اس تحریک سے واقف اور اس کے قائدین کے اغراض ومقاصد سے آگاہ تھے اور لبنانیوں کو بھی آپ نے اس ماجرا سے باخبر کر دیا تھا، چنانچہ آیۃ اللہ کاشانی جب علامہ شرف الدین سے ملے (۱۳۳۱ش میں) لبنان گئے تو لبنان کے عوام نے آپ کا پرجوش استقبال کیا اور لبنانیوں کے ایران کے حالات سے باخبر ہونے نے آیۃ اللہ کاشانی کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔

شہید نواب صفوی نے بھی ۱۳۲۲ش میں جب ''فدائیان اسلام'' کا مبارزہ عروج پر تھا، عربی ممالک کا سفر کیا تھا، اثناء سفر، قدس کانفرس میں شرکت کے لئے ایک شب شرف الدین کے مہمان ہوئے اور آپ سے اسلامی ممالک کے اہم سیاسی اور اجتماعی مسائل پر گفتگو کی تھی۔

سید عبدالحسین شرف الدین نے سامراجی طاقت سے مقابلہ کرتے ہوئے مذہب شیعہ سے متعلق متعدد کتابیں لکھ کر اور مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی دعوت دے کر ۱۳۷۷ھ میں لبنان میں انتقال کیا۔ آپ کے جنازے کو نجف اشرف لایا گیا اور آپ کے جد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کے جوار میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

سید عبدالحسین شرف الدین کی زندگی پر اجمالی نظر ڈالنے کے بعد ہم آپ کی تالیفات اور افکار کے بارے میں کچھ باتیں پیش کر رہے ہیں جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ علامہ کی وحدت [۱] اسلامی کے سلسلے میں سعی وکوشش کا مقصد سامراجی طاقت سے مقابلہ کرنا اور دنیائے اسلام

۱۔ وحدت اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اس سے کیا یہ مراد ہے کہ مذاہب اسلامی میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیا جائے اور دیگر مذاہب کو چھوڑ دیا جائے؟ یا اس سے مراد یہ ہے کہ مذاہب اسلامی کی مشترکہ باتوں کو اختیار کیا جائے اور اختلافی مسائل کو چھوڑ دیا جائے کہ اس طرح ایک جدید مذہب وجود میں آجائے اور موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی مذہب بعینہ نہ ہو؟ یا یہ کہ وحدت اسلامی کا ربط کسی بھی صورت میں وحدت مذہب سے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اختلافی مسائل کو ساتھ رکھ کر غیروں سے مقابلہ میں متحد رہنا ہے ؟ یادنامہ علامہ امینی تالیف شہید مطہری، مقالہ الغدیر و وحدت اسلامی ،ص ۲۴۲۔۲۳۱، منقول از شرف الدین تالیف محمد رضا حکیمی، ص ۱۲۸۔

کی عظمت وسربلندی تھا، اسی وجہ سے آپ نے حقائق کو روشن کرنے کے لئے ''الفصول المہمہ''، لکھی، وحدت اسلامی کے سلسلے میں آپ کی یہ پہلی کتاب ہے، آپ نے اس کتاب میں ان مطالب کو پیش کیا ہے جن کا جاننا شیعہ اور سنی دونوں کے لئے مفید ہے، آپ کا نظریہ تھا کہ ان باتوں سے آگاہی شیعہ اور سنی کے درمیان روابط کو مستحکم بنائے گی، شرف الدین اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''صرف وحدت اسلامی کے ذریعہ ترقی کے وسائل فراہم ہوتے ہیں، روح تمدن جلوہ گر ہوتی ہے، زندگی میں آرام وسکون کو فروغ ملتا ہے اور انسان غلامی کی زنجیر سے نجات پاتا ہے۔ ۱

یہ کتاب (الفصول المہمہ) ۱۳۲۷ھ میں تالیف ہوئی تھی شرف الدین کی دوسری اہم کتاب ''المراجعات'' ہے یہ کتاب علامہ شرف الدین کے مصر کے پہلے سفر کی یادگار ہے آپ اس نتیجے تک پہنچے تھے کہ اصل مقصد تک پہنچنے کے لئے بہترین وسیلہ اہلسنت کا دینی اور علمی مرکز ''جامعہ ازہر'' ہے، آپ جامعہ ازہر گئے اور وہاں کے ممتاز استاد اہلسنت شیخ سلیم بشری کے سامنے بحث وگفتگو کا دروازہ کھولا، شیخ سلیم دل وجان سے شرف الدین کے فریفتہ ہوگئے اور آپ کے علم ومعرفت اور قدرت استدلال سے آگاہ ہوئے، شرف الدین نے بھی شیخ سلیم کو عالم وفاضل پایا، دونوں جو علمی بحث کرنے کے طریقے اور روش مناظرہ سے بخوبی واقف تھے بحث کا آغاز کیا وہ ساری بحثیں ۱۱۲ خطوط پر مشتمل ''المراجعات'' کی شکل میں آئیں شیخ سلیم کے خط میں دستخط کی جگہ ''س'' لکھا رہتا تھا جو اسم سلیم نیز سنی ہونے کی طرف اشارہ تھا اور شرف الدین کے خط میں دستخط کی جگہ ''ش'' جو اسم شرف الدین نیز شیعہ ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ ۲

ان دو عالموں نے ان خطوط میں بہت سارے حقائق پر بحث کی ہے، انھوں نے اس کے ذریعہ تفہیم وتفاہم اور مسلم حقائق کی توضیح کے سلسلے میں بہت بلند قدم اٹھایا تھا۔

۱۔ شرف الدین تالیف محمد رضا حکیمی ص ۱۲۳

۲۔ علامہ شرف الدین چادوش وحدت تالیف مصطفیٰ قلی زادہ

''المراجعات'' مختلف ممالک میں متعدد بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور اس کا ترجمہ انگریزی اور اردو زبان میں بھی ہوا ہے۔

علامہ شرف الدین کے ذہن میں وحدت اسلامی کی جو فکر پیدا ہوئی اس کے بارے میں وہ ''المراجعات'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''اس کتاب کے لکھنے کا خیال اس وقت میرے ذہن میں پیدا ہوا تھا جب ان خطوط کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا یہ فکر جوانی میں میرے ذہن میں آئی تھی اور ہر وقت میرے ذہن میں گردش کرتی رہتی تھی، جس طرح بادلوں میں بجلی چمکتی ہے اسی طرح میری روح میں یہ آرزو دوڑ رہی تھی اور مجھ میں جوش پیدا کر رہی تھی... ہمیشہ اس فکر میں تھا کہ برائیوں اور فتنوں کو مسلمانوں کے درمیان سے ختم کر دوں اور اس کی جڑ کو کاٹ دوں، جہالت و دشمنی کے پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دوں تا کہ زندگی کو صحیح دریچے سے دیکھ سکیں، اصل دین کی حفاظت کر سکیں اور اتحاد و ہم بستگی کے ساتھ ایک پرچم کے سائے میں زندگی گزار سکیں، شیعہ اور سنی کے درمیان جو اختلاف تھا جس کی وجہ سے ان میں جدائی ہو گئی تھی وہ غم واندوہ کا پہاڑ بن کر مجھ پر گرا تھا، یہاں تک کہ ۱۳۲۹ھ میں مصر گیا اس امید پر کہ شاید مسلمانوں کے درمیان اتحاد و ہم بستگی پیدا کر سکوں....'' [۱]

قاہرہ کی ''عین شمس'' یونیورسٹی کے استاد اور محقق ڈاکٹر حامد حنفی داؤد ''المراجعات'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''کتاب المراجعات کی اہمیت اس وقت معلوم ہو گی جب ہم اس وقت پر نظر دوڑائیں جب یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر شیعہ اور سنی تک پہنچی، مؤلف نے اس کتاب کو چودھویں صدی کی

۱۔ مقدمہ المراجعات، ص/۲۵ منقول از شرف الدین چاووش وحدت تالیف مصطفیٰ قلی زادہ ص/۸۴و۸۵۔

تیسری اور چوتھی دہائی میں شائع کیا تھا جب سامراجی طاقتیں مسلمانوں کی سرنوشت سے کھیل رہی تھیں، ان کے پاس اپنے پست مقاصد تک پہنچنے کے لئے مسلمانوں کے درمیان اختلاف وافتراق پیدا کرنے سے بہتر وسیلہ کوئی اور نہیں تھا، وہ اس کے ذریعے دنیائے عرب واسلام کی عظمت کو پامال کرنا چاہتے تھے، اس قرن کے اوائل میں تفرقہ اندازی اپنے عروج پر تھی''۔[۱]

علامہ شرف الدین کی تیسری مشہور کتاب'' **النص و الاجتهاد** '' ہے علامہ نے یہ کتاب اس نظریہ کے تحت لکھی تھی کہ عمل، متون اسلامی (قرآن وحدیث معتبر) کے مطابق ہونا چاہئے، اس کتاب میں وہ اعمال واحکام وفتاویٰ بیان ہوئے ہیں جو بعض بزرگ صحابہ کی زبانی زبان پیغمبرؐ اور اس کے بعد صادر ہوئے تھے کہ ان فتاویٰ میں بعض قرآن کی صریح آیت اور واضح حدیث کے مخالف ہیں۔[۲]

نص کے مقابل اجتہاد کا نظریہ اور شرف الدین کا یہ نظریہ کہ آیات واحادیث سے غفلت نہیں برتنی چاہئے اور دین کے سمجھنے کا اصل سرچشمہ قرآن اور حدیث ہیں بحث امامت میں خاص اہمیت کے حامل ہیں، قرآن یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معتبر حدیث کے مقابلے میں کوئی بھی عقلی استدلال یا فلسفی اور کلامی مقدمہ لائق عمل نہیں ہے۔

یہ نظریہ، مسلمانوں کو متحد کرنے کا ایک وسیلہ ہے کیوں کہ مؤلف کتاب النص والاجتہاد کے نظریہ کے مطابق سارے مسلمان ایک کتاب اور ایک پیغمبرؐ کے پیرو ہیں اور اختلافی مسائل میں وہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ مورد بحث موضوع کی طرف قرآن وحدیث میں اشارہ ہوا ہے یا نہیں، قرآن وحدیث میں اس اشارہ کو حجت قرار دیں تا کہ مسلمانوں کے درمیان سے اختلاف ختم ہو جائے۔[۳]

۱۔ مقدمہ المراجعات، ص ۸/ و ۷ منقول از شرف الدین تالیف محمد رضا حکیمی ۲۰۸۔

۲۔ مقدمہ سید محمد تقی حکیم مہر اجتہاد در مقابل نص ترجمہ شیخ علی دوانی، ص ۳۰/۔

۳۔ ان متون کی طرف رجوع کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ حدیث معتبر ہو اور ان کی طرف رجوع کرنے والا علم رجال، درایۃ الحدیث اور فقہ الحدیث سے آشنا ہو تا کہ صحیح نتیجہ نکال سکے۔

علامہ شرف الدین کی دیگر درج ذیل کتابیں ہیں:

۱۔ الکلمۃ الغراء فی تفضیل الزہراؑ ۔ یہ کتاب جناب فاطمہ زہراؑ کے فضائل ومناقب میں ہے۔

۲۔ ابو ہریرہ: یہ کتاب ابو ہریرہ کے شرح حال اوران کی حدیثوں سے متعلق ہے۔

۳۔ المجالس الفاخرہ فی مأتم العترۃ الطاہرہ: چار جلدوں میں اسی نام کی کتاب کا یہ مقدمہ ہے اصل کتاب تلف ہوگئی صرف یہی مقدمہ تلف ہونے سے بچ گیا ہے، یہ کتاب واقعہ عاشورا اور بقائے اسلام میں اس کے کردار اور شعائر حسینی کے سیاسی اور اجتماعی فائدے سے مربوط ہے۔

۴۔ فلسفہ المیثاق والولایۃ: یہ کتاب شرح آیۂ **الست بربکم** اور ولایت سے متعلق ہے۔

۵۔ اجوبۃ مسائل جار اللہ: موسی جار اللہ کے ان بیس سوالوں کے علمی اور مستند جوابات ہیں جنھیں اس نے علمائے شیعہ سے کئے تھے، مؤلف نے اس کتاب کے مقدمہ میں مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی ہے اور آخر میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ موسی جار اللہ اور بعض دیگر اہلسنت اہل قلم، شیعوں کی کتابوں سے بے خبر ہیں۔

۶۔ مسائل فقہیہ: پانچوں مذاہب اسلامی کی فقہ کے مطابق اس کتاب کو تحریر کیا ہے۔

۷۔ کلمۃ حول الرویۃ: اعتقادی مسائل پر علمی اور تحقیقی رسالہ ہے۔

۸۔ الی المجمع العلمی العربی بدمشق: مجمع علمی دمشق کی طرف سے ہونے والی ان تہمتوں سے مربوط یہ رسالہ ہے جو شیعوں پر ہوئی تھیں، آپ نے اس میں اتحاد اسلامی کی دعوت دی ہے۔

۹۔ ثبت الاثبات فی سلسلۃ الرواۃ: اس کتاب میں آپ نے اپنے اساتیذ اور ان علمائے اسلام کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے آپ کو اجازۂ روایت دیئے تھے۔

۱۰۔مؤلفو الشیعۃ فی صدر الاسلام : صدر اسلام میں امام علی نقیؑ کے زمانے تک کے شیعہ مؤلفین کے بارے میں یہ کتاب لکھی ہے،اس کتاب کے مطالب زیادہ تر اہلسنت کی کتابوں سے اخذ ہوئے ہیں۔

۱۱۔زینب الکبریٰ علیہا السلام: یہ رسالہ حضرت زینبؑ سے متعلق ہے۔

۱۲۔بغیۃ الراغبین فی احوال آل شرف الدین : یہ کتاب ادبی ، تاریخی ، رجالی اور علمائے خاندان شرف الدین اور علمائے خاندان صدر سے متعلق ہے۔[۱]

۱۔علامہ شرف الدین کی تالیفات کے بارے میں مزید معلومات کے لئے مراجعہ کیجئے ''شرف الدین چاووش وحدت'' تالیف مصطفیٰ قلی زادہ ص۱۹۲/۱۸۹ شرف الدین تالیف محمد رضا حکیمی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جماعت (اتحاد) سبب رحمت اور

تفرقہ عذاب کا موجب ہے۔

(نہج الفصاحہ، حدیث ۱۳۲۳)

شہید سید قطب ''شاہد بیدار''

ترجمہ: سید ذاکر حسین جعفری

عالم اسلام میں بڑی بڑی شخصیتیں عدل وانصاف اور آزادی کے حق میں آواز بلند کرتی رہی ہیں اور لوگوں کو حقیقی اسلام کی طرف اور ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کی دعوت دیتی رہی ہیں ۔ ان شخصیات میں ایک سید قطب ہیں جن کی عدل و انصاف اور آزادی کی آواز اور برطانوی استعمار کے ساتھ مقابلہ کی جد و جہد لائق مطالعہ اور غور طلب ہے۔

انھوں نے نصف صدی تک اسلام کی ترقی وسرافرازی اور اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے بہت کوشش اور جد و جہد کی ۔ اسلام دشمنوں نے آج تک مسلمانوں کے ساتھ زیرکانہ عمل کیا ہے ۔ اسی بنا پر انھوں نے سید قطب اور ان کے ساتھیوں کی حرکات وسکنات کو بھی مکمل طور سے زیر نظر رکھا اور سرانجام سید قطب کو عرصہ تک قید و بند میں رکھنے کے بعد شہید کر دیا اگر چہ دشمنوں نے سید قطب کو اپنے مقصد یعنی ایک عالمی اسلامی حکومت کی تشکیل میں کامیاب نہیں ہونے دیا لیکن اب بھی ان کی آواز تمام اسلامی ممالک کے لوگوں کے کانوں میں گونج رہی ہے اور

انھوں نے جد جہد کے جس چراغ کو روشن کیا تھا وہ آج بھی پورے عالم اسلام کے مومن اور انقلابی جوانوں کے لئے مشعل ہدایت ہے۔

سید قطب کی کتابیں اور مقالات جو دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں آج بھی خورشید کے مانند اتحاد کے حامی مسلمانوں اور انقلابی جوانوں کے دلوں کے لئے ہدایت ہیں۔

اس وقت عالمی تقریب مذاہب کونسل تحقیقاتی مرکز نے تقریب مذاہب کے تحقیقی ادبیات اور اس سلسلے میں عملی تحقیقات کو اپنا بنیادی فریضہ قرار دیا ہے، لہٰذا مذہبی تقارب کے علمبرداروں اور ان کی زندگی کے تجربات کو پہچنوانا اپنا اولین نصب العین قرار دیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے شعور کو بیدار کرنے کے لئے کسی کوشش سے فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ اس مقالہ میں سید قطب کے حالات زندگی پر بحث کی جائے گی۔ امید ہے اس عظیم انسان کی زندگی کا مطالعہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور استعماری طاقتوں کے ساتھ مقابلہ میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

پیدائش

سید قطب ۱۹۰۶ء میں مصر کے صوبہ اسیوط کے موشہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں عبد الفتاح کے نام سے بھی معروف ہے جغرافیائی لحاظ سے موشہ گاؤں مصر کی بلند سرزمینوں میں سے ہے جو دریائے نیل کے کنارے واقع ہے۔ موشہ میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور اس میں عیسائی بہت کم ہیں۔

گھریلو ماحول

ان کے باپ حاج قطب ابراہیم قطب خاندان کے سلسلے کے سربراہ تھے۔ باپ کی وفات

کے بعد وہ خاندان کے سربراہ بنے ان کی نمایاں خصوصیات یہ تھی کہ وہ بہت انفاق کرتے تھے ان کی بخشش اس حد تک تھی کہ جب ان کا مال ختم ہو گیا تو اپنی ذراعت کی زمینوں کو یکے بعد دیگرے بیچ دیا یہاں تک کے اپنے خوبصورت اور بڑے مکان کو بھی بیچنے پر مجبور ہو گئے ہر سال ان کی یہ عادت تھی کہ وہ عید فطر، قربان، یوم عاشورا، ۱۵ شعبان، پیغمبرؐ کی معراج کے دن اور رمضان المبارک کے مہینے میں تمام گاؤں والوں کو تلاوت قرآن کے لئے اپنے گھر دعوت دیتے تھے اور قرآن کی تلاوت کے بعد بہترین کھانا کھلاتے تھے۔ سید قطب نے اپنے باپ کی دیگر خصوصیات میں ان کے تواضع کا بھی ذکر کیا ہے۔ سید قطب اس سلسلے میں لکھتے ہیں: کچھ مزدور میرے والد کے لئے کام کرتے تھے، ہمیشہ کے رسم کے مطابق انھیں ''سیدی'' کہہ کر پکارتے تھے لیکن وہ سخت ناراض ہوتے تھے اور کہتے تھے چھوٹے ''حاج عمو'' اور بڑے ''حاجی'' کہیں۔

حاج ابراہیم سیاسی لحاظ سے حزب اللوائے مصر کے رکن تھے اور ان کا گھر گاؤں کا سیاسی امور کا مرکز تھا۔

۱۹۱۹ء مصر میں انقلاب کے دوران آشکار اور مخفی طور پر اجلاس منعقد کرتے تھے اور لوگوں کو انقلاب کا راستہ دکھاتے تھے۔ حاج قطب ابراہیم نے دو شادی کی تھی۔ پہلی شادی سے ایک لڑکی اور دوسری شادی سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے پیدا ہوئے اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس وقت کی حکومت کے خلاف جدو جہد میں مصروف ہو گئے اور اس سلسلے میں عرصہ تک جیل میں رہے۔ جب سید قطب اسلام کی حمایت کے جرم میں جیل بھیج دیئے گئے تو ان کے ساتھ ان کی بہن نفیسہ اور ان کے بھانجے رفعت و عزمی کو بھی گرفتار کر کے جیل میں بھیج دیا گیا اور ان کو بہت سزا دی گئی کچھ عرصے کے بعد نفیسہ جیل سے آزاد ہو گئیں لیکن رفعت اور عزمی جیل میں رہے۔ حکومت نے رفعت سے کہا کہ اپنے ماموں یعنی سید قطب کے خلاف گواہی دے کر آزاد ہو جاؤ۔ لیکن وہ نہیں مانے اور اس پر ان کو بہت شکنجے دیئے گئے اور وہ انھیں شکنجوں کی وجہ سے شہید ہو گئے لیکن عزمی کچھ عرصے کے بعد آزاد ہو گئے۔ (خالدی، ص ۴۲)

سید قطب کی دوسری بہنیں یعنی امینہ، حمیدہ، اوران کے بھائی محمد قطب کا انجام بھی انھیں جیسا ہوا۔ محمد قطب جو کے ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے اور سیاسی جدو جہد اور قید و بند کی وجہ سے پچاس سال کی عمر میں شادی کی اس وقت وہ سعودی عرب میں مقیم ہیں اور تحقیق اور کتب کی تألیف میں مشغول ہیں۔

سید قطب کی ماں پاک دامن خاتون اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور شادی سے پہلے قاہرہ میں رہتی تھیں کے دو بھائی مصر کی الازہر یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔ سید قطب کی ماں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ قرآن سننا بہت پسند کرتی تھیں۔ انھوں نے اپنے بیٹے سید قطب کو اسی وجہ سے اسکول بھیجا تا کہ قرآن پڑھنا سیکھیں اور ماں کو قرآن سنائیں۔ سید قطب کی ماں ۱۹۴۰ء موشہ میں گزر گئیں۔

تعلیم کا دور

بچپن کا دور گزرنے کے بعد سید قطب کے والدین نے انھیں اسکول بھیجنا چاہا لیکن وہ اسکول نہیں جانا چاہتے تھے پھر وہ والدین کی طرف سے شوق دلانے پر ۱۹۱۲ء میں اسکول گئے جب کہ گاؤں کے بعض لوگ ان کے اسکول جانے کے مخالف تھے اور قرآن کی تعلیم کے مخالف سمجھتے تھے۔ جب سید قطب دوسری کلاس میں پہنچے تو کتب خانے کا مالک جو سید ابراہیم کا دوست تھا اس نے سید ابراہیم سے خواہش کی کہ وہ سید قطب کو اسکول کے بجائے مکتب خانے میں بھیجیں تا کہ وہ قرآن حفظ کریں اور دینی احکام یاد کریں۔ اگلے دن صبح سید قطب مکتب خانے پہنچے اور یہ فیصلہ کیا کہ درس بھی پڑھیں گے اور قرآن بھی حفظ کریں گے اور اس فیصلے کی بنا پر دوسری کلاس میں حفظ کرنا شروع کیا اور چوتھی کلاس میں یعنی جب دس سال کے ہوئے مکمل حافظ قرآن بن گئے تھے۔ سید بچپن ہی سے غور و فکر کرنے کے عادی تھے اور کسی بھی بات کو دلیل کے بغیر قبول نہیں کرتے تھے۔ وہ خود بتاتے ہیں کہ ایک دن الازہر یونیورسٹی سے ایک عالم تبلیغ کے لئے ہمارے گاؤں میں آئے تھے اور ایک رات جب منبر پر

سورہ کہف کی تفسیر بتا رہے تھے تو اس آیت کی تلاوت کی (ذالک ما کنا نبغ ...کہف/۶۴) میں نے پوچھا اے شیخ کلمہ نبغ میں حرف یاء جزم کی علامت کے بغیر کیوں حذف ہوگئی ہے؟

سید قطب کتابوں اور ان کے پڑھنے کا بہت زیادہ شوق رکھتے تھے اس حد تک کہ وہ گاؤں کے لوگوں میں اس صفت سے مشہور ہو گئے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے محلّہ کے کتاب بیچنے والے جسے عموصالح کہتے تھے سے کتابیں خرید کر ایک لائبریری قائم کی جس میں ۲۵ پچیس کتابیں تھیں اور گاؤں میں وہی ایک لائبریری تھی۔ سید قطب نے قرآن سیکھنے کے ساتھ ۶ چھ سال کے بعد ۱۹۱۸ء میں ابتدائی دور کو کامیابی سے طے کیا، اس کے بعد وہ ہفتہ وار جلسات میں شرکت کرتے تھے جو مصر کے سماجی اور سیاسی حالات کے بارے میں ہوتے تھے حالانکہ اس وقت ان کی عمر تیرہ ۱۳ سال کی تھی۔ (گزشتہ حوالہ)

قاہرہ کا سفر اور مزید تعلیم

سید قطب دو سال تک ملک کے اندرونی حالات کے خراب ہونے کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے لیکن ۱۹۲۰ء میں تعلیم جاری رکھنے کے لئے قاہرہ چلے گئے اور اپنے ماموں احمد حسین عثمان کے گھر رہ کے سولہ سال کی عمر میں قاہرہ کے عبدالعزیز اسکول میں داخل ہوئے اور اس کا دورہ مکمل کرنے کے بعد مدارس میں تدریس کی ڈگری حاصل کر لی جب وہ دارالعلوم یونیورسٹی کے طالب علم تھے تو اس وقت یونیورسٹی کے سربراہ ڈاکٹر طہ حسین تھے۔ یونیورسٹی تعلیم کے تیسرے سال میں یونیورسٹی کے سربراہ کی طرف سے ایک کانفرانس منعقد ہوئی جس میں سید قطب نے بہترین تقریر کی سید قطب نے ''مہمہ الشاعر فی الحیاۃ، شعرالجیل الحاضر'' اپنے مقالے کے بیان سے سب کو حیران کر دیا۔ وہ تعلیم کے دوران با استعداد اور آگاہ تھے اور شجاعت کے ساتھ یونیورسٹی کے علمی اور ثقافتی مسائل پر تنقید کیا کرتے تھے۔ وہ ابھی جوان تھے لیکن اساتذہ کے ساتھ بحث کرنے سے خوف نہیں

کھاتے تھے۔اساتذہ بھی سید کی کوشش پر خوشی اور حیرت کا اظہار کرتے تھے۔ان کے استاد محمد مہدی علام کا کہنا ہے کہ ان کی تحریک استقلال اس بات کا باعث بنی کہ وہ سب کے لئے محبوب بن گئے۔سید نے ۱۹۳۲ء ادبیات عرب میں ایم ،اے کی ڈگری حاصل کی اور اسی سال دارالعلوم جماعت تشکیل دینے میں انھوں نے اہم کردار ادا کیا۔اس جماعت کا مقصد جو دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلباء پر مشتمل تھی ادبیات عرب اور لغت عرب کا دفاع کرنا تھا۔اس جماعت نے بعد میں دارالعلوم نام کا مجلّہ بھی شائع کیا۔سید قطب ۱۹۳۳ء میں تعلیم وتربیت کے وزارتخانے میں خدمت پر مشغول ہوئے اور اسی سال مدرسہ داؤدیہ مصر میں ابتدائی معلم کے عنوان سے پڑھانے لگے۔وہ پھر مدرسہ دمیاط، بنی سویف اور مدرسہ حلوان میں معلم واستاد رہے مختلف مدارس میں پڑھانے کے ۶ سال بعد ۱۹۴۰ء میں تعلیم وتربیت کے مرکزی ادارے میں ملازم ہوگئے اور تعلقات عامہ مردم شماری اور ابتدائی مدارس کے انسپکٹر کے کام میں مصروف رہے۔۱۹۴۵ء میں پھر تعلقات عامہ میں واپس آگئے اور ۱۹۴۸ء تک اسی کام میں مشغول رہے۔

امریکہ روانگی

سید قطب اپنے دوستوں کے ساتھ یونیورسٹی میں سیاسی اور سماجی حالات سے مزید آشنا ہوگئے اور اپنے ماموں کے ذریعے حزب ''وفد'' سے آشنا ہونے کے بعد اس پارٹی کے ممبر بن گئے اور اپنے مقالات اس حزب کے نشریہ میں شایع کرنے لگے آپ نے کچھ مقالے مصر کے مشکلات کے بارے میں بھی لکھے جس پر حکومت نے طے کیا کہ سید قطب کو ایک کام کو انجام دینے کے لئے امریکہ روانہ کرے۔وزارت تعلیم وتربیت نے سید کو امریکہ کے اسکولوں کے تعلیم کے بارے میں تحقیق اور ریسرچ کے بہانے امریکہ روانہ کیا۔اہل حکومت سید قطب کو امریکہ روانہ کرنے سے دو مقصد حاصل کرنا چاہتے تھے:۱۔سید قطب علمی وثقافتی معاشرے سے دور رہیں تا کہ وہ لوگوں کے اذہان کو اسلامی

تحریک کی طرف مزید دعوت نہ دے سکیں ۲۔خود امریکہ میں رہ کر امریکہ کے ثقافت سے متأثر ہوں اور خود بھی امریکی ثقافت کے حامی بن جائیں۔انھوں نے اپنے سفر کا آغاز ۱۹۴۸ء اسکندریہ بندرگاہ سے نیویارک کی طرف کیا۔نیویارک پہنچنے کے بعد انھوں نے اپنا کام شروع کیا۔وہ ہر روز امریکہ کے اسکولوں میں جاتے تھے اور وہاں کی تعلیم کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔وہ تقریباً دو سال امریکہ میں رہے۔اور اس مدت میں اخبار و رسائل، ریڈیو، ٹی وی، اور اپنے سیاسی شعور سے سمجھ گئے کہ امریکہ برطانوی سامراج کو کم کرے گا اور خود عربی اور اسلامی ممالک پر اپنی سامراجی روش کو باقی رکھے گا۔اسی لئے سید قطب نے یہ ارادہ کیا کہ مصر واپس آ کر ایک مقالہ کے ذریعہ عوام کو اور بالخصوص نوجوان نسل کو امریکہ کے اس مقصد سے آگاہ کریں۔

مصر واپسی

سید قطب ۱۹۵۰ء میں مصر واپس آ گئے اور وزیر تعلیم اور معارف کے دفتری نائب کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔امریکہ کے سفر نے نہ صرف ان کو اپنے مقاصد سے دور نہیں کیا بلکہ پس اپنے منصب سے استعفاء دے کر سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مزید مصمم کر دیا لیکن یہ مقابلہ حکومت میں رہ کر مقدور نہیں تھا لہٰذا ۱۹۵۲ء وزارت تعلیم و تربیت سے یہ کہہ دیا اب ان کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے۔دو سال تک ان کا استعفا قبول نہیں کیا گیا لیکن پھر ۱۹۵۴ء میں استعفا قبول کر لیا گیا۔(خالدی ص ۸۸)

مطبوعات کے محاذ پر

سید قطب اپنی جوانی سے اخبار و رسائل میں مقالے لکھتے تھے انھیں روزنامہ نگاری کا بہت شوق تھا ان کا پہلا مقالہ ۱۹۲۲ء میں ۱۶ سال کی عمر میں ''صحیفہ بلاغ'' نام کے رسالے میں شایع ہوا وہ

معروف نشریات یعنی البلاغ، الباغ الاسبوعی، الجہاد، الاہرام میں لکھتے تھے۔ (گزشتہ ص ۹۸) سید قطب ۴۰ سال کی عمر میں اسلامی تحریک کے فکری آغاز کے بارے میں الکتاب المصری، الکتاب السوادی، الشؤون الاجتماعیہ نشریوں سے تعاون کرتے تھے۔ کچھ برسوں کے بعد ''اللواء الجدید'' مجلّے میں جسے مصر کی حزب الوطنی کے جوانوں کا شعبہ شایع کرتا تھا، مقالہ لکھا۔ لیکن استعمار کی سازشوں اور حکومت کے استعمار کے ساتھ تعاون پر سید کی سخت تنقید کے نتیجہ میں جوانوں کے شعبے کو بند کر دیا گیا۔ سید قطب نے اللواء الجدید مجلّے کے بند ہونے کے بعد جد و جہد سے ہاتھ نہیں ہٹایا اور الدعوۃ مجلّے میں ایڈیٹر اور چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے کام جاری رکھا۔ ان کے مقالات اس مجلّے میں عوام کو انقلاب کے لئے دعوت دینے اسلامی حکومت بنانے، اور حکومت تبدیل کرنے کے بارے میں تھے۔ آخر مصر کی حکومت نے الدعوۃ مجلّے کو بھی بند کر دیا۔ سید پھر بھی ناامید نہیں ہوئے اور یوسف شماتہ کی مدد سے (العالم العربی) مجلّے کو شایع کیا۔ یوسف شماتہ نے مدیر اعلی کی حیثیت سے اور سید قطب نے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام جاری رکھا (گزشتہ ص ۱۰۳) سید العالم العربی کے مجلّے میں دوسرے مصری نشریات کے برعکس عربی تاریخ درج کرتے تھے۔ سید نے ۱۹۴۸ء میں اخوان المسلمین تحریک کی مدد سے ''الفکر الجدید'' مجلّے کی بناڈالی اور اس مجلّے میں بھی اصلاحات کی طرف داری اور موجودہ حکومت کو تبدیل کرنا اپنا مقصد قرار دیا۔ سید قطب کے مقالات اس مجلّے میں بہت قوی اور سخت مقالات میں سے شمار ہوتے تھے۔ سید کے مقالات کی وجہ سے یہ مجلّہ بھی بند ہو گیا۔ ۱۹۵۴ء میں اخوان المسلمین تحریک نے اخوان المسلمین مجلّہ کو شایع کیا اور سید کو انجمن تحریر کا سربراہ بنایا۔ یہ مجلّہ ہر ہفتہ جمعرات کے دن شایع ہوتا تھا اور اس کا پہلا شمارہ رمضان ۱۳۷۳ کی ۱۷ تاریخ میں نشر ہوا سید نے اس مجلّے میں اپنے انقلابی اور اسلامی افکار کو گزشتہ کی بانسبت زیادہ نشر کیا اسی وجہ سے بارہ شمارے نشر ہونے کے بعد ۶ ذی الحجہ ۱۳۷۳ میں اسے روک دیا گیا۔ یہ سید قطب کی آخری ثقافتی جد و جہد تھی کیونکہ اس کے بعد سید کو پکڑ لیا اور جیل میں ڈال دیا تھا۔ سید قطب نے اپنی ۲۵ سالہ مطبوعاتی حیات میں ۴۵۵ مقالے اور قصیدے مصر کے مختلف مجلوں اور اخباروں میں نشر کئے۔ (خالدی ص ۱۰۹) انھوں نے اپنی آدھی

زندگی اخبارات اور مجلوں کے ساتھ بسر کی۔اس دوران آپ یہ سمجھ گئے کہ بعض مجلوں کے کام مشکوک ہیں اور ان کے مقالات کو نشر ہونے نہیں دیتے اور ان میں سے بعض دشمنوں سے رابطہ رکھتے ہیں۔لہٰذا انھوں نے ایک مقالہ ''الدولہ تخفق الادب'' کے عنوان سے ان مجلوں کے خلاف بھی شائع کیا اور انھیں ذلیل ورسوا کیا۔(گزشتہ ص ۱۱۱)

سید قطب کے اساتذہ اور ان کو متأثر کرنے والے

متعدد افراد نے سید قطب کو متأثر کیا ہے کہ ہم دو افراد کے نام ذکر کرتے ہیں:

۱۔**ابوالاعلی مودودی** (م ۱۹۷۹ء): مودودی ہندو پاکستان کے بڑے مفکر تھے کہ جو اسلامی حکومت کا عقیدہ رکھتے تھے اور سامراجی طاقتوں کی مخالفت کرتے تھے انھوں نے ۱۹۴۱ء میں ہندوستان میں ''جماعت اسلامی'' کی بنیاد ڈالی جو کہ مصر کی اخوان المسلمین تحریک سے مشابہت رکھتی تھی انھوں نے مختلف کتابیں لکھی ہیں الاسلام الیوم، منہاج الانقلاب الاسلامی، الحکومۃ الاسلامی، الاسلام والمدینہ، تدوین الدستور الاسلامی والمصطلحات الاربعہ فی القرآن۔سید قطب جیل میں ان کی افکار سے آشنا ہوئے۔ابوالاعلی مودودی کی نظر کے مطابق اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے۔اور اگر کوئی اسلام کے بعض احکام پر عمل کرے اور بعض پر عمل نہ کرے وہ جزئی ارتداد کا مرتکب ہوگا۔وہ حاکمیت کے بغیر اسلام کو اسلام نہیں سمجھتے تھے۔ابوالاعلی کی کتابوں نے سید قطب کے افکار و ذہن پر بہت اثر ڈالا۔جب سید کو پکڑا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے افکار کو مودودی سے لیا ہے تو سید نے جواب دیا کے میری فکر ونظر ابوالاعلی کی فکر ونظر ہے۔

۲۔**عباس محمود عقاد**: سید قطب قاہرہ میں آنے کے بعد اپنے ماموں (احمد حسین عثمان) کے ذریعہ ان سے آشنا ہوئے اور کچھ مشترکات کی بنا پر جو سید اور عباس محمود عقاد کے درمیان تھے سید ان کے افکار سے متأثر ہوئے سید کچھ عرصہ مدرسہ عقادیہ جو کہ محمود عقاد کی سرپرستی میں

ادارہ ہوتا تھا پڑھے اور اس مدت میں ان کے افکار اور نظریات سے واقف ہوئے لیکن کچھ عرصے کے بعد سید قطب نے ان کے ادبی آثار پر تنقید کی۔ جب سید قطب ۱۹۵۱ء اخوان المسلمین کے حقیقی رکن بن گئے تو عقاد نے جو کہ اخوان المسلمین کے مخالف تھے سید قطب پر تنقید کی اور ایک مقالہ ''ارادۃ الغفلۃ'' میں سید قطب کی بے حرمتی کی۔

سید قطب کے افکار اور اعتقادات

سید اخوان المسلمین کے دماغ کی حیثیت سے ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۴ء تک نمایاں رہے، اور ہمیشہ جب بھی کوئی اخوان المسلمین پر تنقید یا مخالفت کرتا تھا اس سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ اخوان المسلمین کے بارے میں کہتے ہیں: خدا اخوان المسلمین کو زندہ رکھے کیونکہ اس نے مصر کو زندہ کیا اور جہاد کا مفہوم جو کے لوگوں کی نظر میں صرف نعرہ لگانا اور تالی بجانا تھا بدل دیا اور اس کا اصلی مفہوم جو کہ ایثار و فداکاری ہے دوبارہ زندہ کیا اور جنگ کے مفہوم کو جو کہ صرف تبلیغات تک محدود تھا اس کو قربانی اور راہ خدا میں شہادت میں تبدیل کر دیا۔ (سید قطب ۱۳۷، ص ۱۰۷) سید قطب معتقد ہیں جو بھی گروہ یا حکومت کسی اسلامی ملک پر فوجی حملہ کرے اس پر اقتصادی اور سیاسی پابندیاں لگائی جائیں۔ وہ کہتے ہیں برطانیہ اور امریکہ نے روس کی مدد کے ساتھ ہمیں اور باقی مسلمانوں کو فلسطین سے باہر نکالا ہے فرانس نے افریقا کے شمالی علاقے میں ہمارے خلاف جنگ کی ہے اور ہمیں اذیت دی ہے اور ابھی بھی یہ سب ملک ہمارے اور ہمارے دین کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ اسی دلیل پر ان ممالک کے ساتھ کوئی بھی معاملہ اور تعاون اسلام کی نظر میں غیر شرعی ہے اور مسلمان حق نہیں رکھتے کہ غیر شرعی کام میں حکومت کی مدد کریں اور حکومت کو جس طرح بھی ہو سکے حرام عمل انجام دینے سے روکیں۔ (گزشتہ ص ۱۰۰) سید قطب تمام اسلامی کمپنیوں سے چاہتے تھے کہ وہ اپنے اقتصادی رابطے اسلام کے دشمنوں سے ختم کر دیں وہ معتقد تھے کہ اسلام کے دشمنوں کی مدد اور ان کے

ساتھ تجارت کرنا غیر شرعی ہے (گزشتہ ص ۱۰۱) سید قطب اسلام کے دوسرے مفکروں کی طرح غرب کی ثقافت اور ان کے اخلاق کے مخالف تھے انھوں نے اس سلسلے میں ایک مقالہ ''عودالی المشرق'' کے نام سے بھی شائع کیا تھا۔

سید قطب معاشرے کو جاہلی اور اسلامی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں آج ہم اسی جہالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو کے اسلام کے ظہور کے دور میں تھی اور ہمارے اطراف میں جو بھی ہے اس سے بھی زیادہ جاہلانہ ہے۔ ہمارا وظیفہ یہ ہے کہ پہلے اپنے اندر تغییر و تبدیلی پیدا کریں تا کہ اسی بنا پر معاشرے کو تبدیل کر سکیں۔ اسلام دو معاشرے سے زیادہ نہیں جانتا۔ ایک جاہلی معاشرہ دوسرا اسلامی معاشرہ۔ اسلامی معاشرہ وہ ہے کہ جس کے تمام پہلوؤں میں عقیدہ، عبادت، شریعت اور احکام سلوک اور اسلامی اخلاق عملی شکل اختیار کریں۔ اور جاہلی معاشرہ وہ ہے کہ جس میں اسلام پر عمل نہیں ہوتا۔ سید قطب کی یہ سیاسی فکر ہم کو امام خمینیؒ کی یاد دلاتی ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا حکومت یا طاغوت ہے یا اسلام ہے۔ حقیقت میں سید قطب کا عقیدہ ہے کہ جس اسلام کی دشمن تبلیغ کرتے ہیں اس میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے لائے ہوئے اسلام میں بہت زیادہ فرق ہے۔ سید قطب پہلے مفکر ہیں جنھوں نے (امریکی اسلام) کا لفظ پیش کیا۔ ان کے عقیدے کے مطابق امریکیوں کو اسلام کی شدید ضرورت ہے تا کہ وہ شرق وسطی میں اور اسلامی ممالک میں کمیونیزم کے ساتھ مقابلہ کرے۔ (ماچہ می گوئیم ص ۹۰) اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کے جس معاشرے کے لوگ مسلمان ہیں لیکن اسلام کے احکام پر عمل نہیں کرتے، چاہے نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، حج کریں ایسا معاشرہ کسی بھی طرح اسلامی نہیں کہلاتا بلکہ جاہلی معاشرے کی صف میں قرار پاتا ہے۔ اور جو معاشرہ خدا کو مانتا ہے لوگوں کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ دین کو دوسرے معاشرے میں پھیلائے، بلکہ صرف اجازت دیتا ہے کہ لوگ خدا کی مسجدوں میں عبادت کریں، یہ معاشرہ بھی جاہلی معاشرہ ہے۔ سید قطب یہودی اور صہیونی تحریک کے بارے میں بھی بہت بدگمان تھے اور انھیں اسلامی معاشرے کے انحطاط اور

پسماندگی کا سبب جانتے تھے۔ وہ اسرائیل کے مقصد کو اسلامی عقیدے کی تضعیف سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے صہیونیوں اور استعماری طاقتوں کی کتابوں، مقالات اور تقریروں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ اسلامی عقیدے کو مٹانے اور محو کرنے کے درپئے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اسلام کو قانون کا مصدر اور منبع بننے سے دور رکھیں۔ سید اپنی کتاب ''معالم فی الطریق'' میں کفار کے ساتھ جہاد کو ضروری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: اللہ کی حکومت زمین پر قائم کرنا اور بشر کی حکومت زمین سے محو کرنا، طاقت وقدرت کو غاصبوں کے ہاتھ سے چھین کر خدا کے بندوں کے ہاتھ میں واپس کرنا الٰہی قوانین کا نفاذ اور انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو ختم کرنے کے لئے پند ونصیحت سے ہی کام نہیں چلے گا۔ سید قطب اسلام کو عالمی مشکلات سے نجات دلانے والا واحد دین سمجھتے تھے اور اس بات کے معتقد تھے کے اسلامی نظام کے علاوہ کوئی بھی نظام بشری سعادت اور فلاح فراہم نہیں کرسکتا ہے (عدالت اجتماعی در اسلام ص ۲۳، ۲۷ و ۱۳۰)

سید فکری آزادی کے بارے میں معتقد ہیں کہ آزادی یعنی خدا کی بندگی کے علاوہ ہر قید سے رہا ہونا ہے۔ (مسجد جامعی ص ۱۶۳) وہ آزادی کو خدا کی بندگی میں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کلمہ لا الہ الاّ اللہ اسلامی طرز فکر کی بنیاد واساس ہے۔ اس جملے کا مقصد زندگی کے لئے ایسا کامل نمونہ وطریقہ ہے کہ جو غیر خدا کی ذہنی بندگی سے فکری آزادی کی بنیاد پر ہوا ہے۔ (گزشتہ ص ۵۲) اسی آزاد سوچ کی بنیاد پر وہ اہل سنت کے ان عالموں میں سے ہیں جو صدر اسلام میں بنی امیہ کے بعض خلفاء پر شدید تنقید کرتے ہیں۔ اور اہل سنت کی نظر میں صدر اسلام کے خلفاء اور صحابہ کا جو احترام واجب ہے اس کو لازم نہیں سمجھتے وہ ابوسفیان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایسا شخص ہے کہ جس نے محبت سے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اسلام غالب ہوگیا اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کینہ تھا۔ وہ اپنی خوشی کو مسلمانوں کی شکست کے موقع پر ظاہر کرتا تھا اسی طرح وہ یزید بن معاویہ کے بارے میں کہتے ہیں اسے اسلام کی معرفت نہیں تھی وہ اپنی قومیت اور ذات کا دفاع کرتا تھا۔ اس کی روح

حقیقت اسلام سے دور ہونے کی بنا پر وہ بنی امیہ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا اور عثمان کی اس بنا پر تنقید کرتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے بیت المال سے ۲۰۰,۰۰۰ درہم اپنی لڑکی کی شادی کی رات میں اپنے داماد حارث بن حکم کو ہدیہ کے طور پر دیئے تھے۔ عثمان کا طرز غیر منصفانہ تھا عثمان غیر قانونی طور پر بیت المال سے استفادہ کرتا تھا۔ (مطاعن فی اصحاب رسول اللہ ص ۱۵۹) جیسا کہ حضرت ابوذر کی جلا وطنی میں بھی عثمان کے کردار کی دوسری غیر منصفانہ حرکت دیکھی جاسکتی ہے۔

شعور اتحاد سید قطب کے کلام میں

سید قطب مصر کے بزرگ عالم دین، قومیت پرستی کو اسلامی معاشرے کی سب سے بڑی مشکل قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب تک دنیا کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا نہ ہو مغربی امپریلزم مسلمانوں کے منافع پر مسلط رہیں گے۔ سید کی قومیت پرستی سے مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ قومیت پرستی مسلمانوں کے اتحاد کے مقابل میں ہے۔ اسی فکر کی وجہ سے سید کے روابط جمال عبد الناصر سے خراب ہوگئے۔ کیونکہ جمال عبدالناصر کا مغربی نیشنلزم پر اعتقاد تھا جب کہ سید قطب قومیت پرستی کی بہت مخالفت کرتے تھے۔

انھوں نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے: بے شک قومیت پرستی کی غلط فکر نے ہمارے اندرونی مسائل پر بہت برے اثرات مرتب کئے ہیں۔ اس فکر نے بڑے اسلامی وطن کو چھوٹی چھوٹی طاقتوں میں بکھیر دیا ہے جن کی اہمیت اور حیثیت اتنی ختم ہوگئی ہے کہ وہ کسی دوسری طاقت کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ قومیت پرستی کی فکر نے مغربی امپریلزم کو اس بات کی کھلی اجازت دیدی کہ وہ ہر روز ایک اسلامی ملک ہڑپ لے یا اسے ختم کردے جب کہ یقین ہے کہ یہ بناوٹی سرحدیں کسی چھوٹے ملک کو دوسرے ملک کی مدد کی اجازت نہیں دیتی۔ (تاریخ فرہنگ معاصر ش ۶، ص ۲۷۸، بہ نقل از مصر الفتاہ، ۶ سپتامبر ۱۹۵۱م) سید قطب نے سید جمال الدین اسد آبادی کی طرح جغرافی سرحدوں کو

توڑ دیا۔ان کا اعتقاد یہ تھا کہ جہاں جہاں مسلمان ہیں وہاں وہاں اسلامی حکومت ہے۔ایران میں تیل کی صنعت کے قومیائے جانے کے دوران انھوں نے آیت اللہ سید ابوالقاسم کاشانی کو ایک خط لکھا اور اس میں ایران میں تیل کی قومی تحریک کی حمایت کی سید قطب نے اس خط میں بہت ہی اہم نکتے بیان کئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیل کی یہ تحریک قومی نہیں بلکہ اسلامی تحریک ہے جو ایک عالم کی قیادت میں جاری ہے۔وہ اس تحریک کو اسلامی نظام کے قریب تر ہونے کے لئے ایک قدم قرار دیتے ہیں اور ایران کے مالی وسائل سے غیر ملکیوں کے ہاتھ منقطع ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔اس خط میں انھوں نے مسلمانوں کو اتحاد کی طرف دعوت دی ہے اور باہمی اختلافات سے دور رہنے پر تاکید کی ہے۔

سید قطب کی سیاسی جدو جہد

سید قطب کی جدو جہد کا اہم ترین دور وہ ہے جب وہ اخوان المسلمین تحریک کے ساتھ شامل ہو گئے۔اخوان المسلمین کی تحریک جس کی زیادہ تر فعالیت عربی ممالک میں تھی اور اس کا اصلی مرکز مصر میں تھا اس تحریک کی فعالیت ۱۹۳۰ سے لے کر ۱۹۶۰ تک تھی حسن البناء (م ۱۳۶۸ق) نے مصر کے شہر اسماعیلیہ میں ذی القعدہ ۱۳۴۷ میں اس تحریک کی بنیاد رکھی۔اور مدرسہ التہذیب میں تعلیم قرآن، تجوید، حدیث تفسیر اور دیگر اسلامی علوم سے اپنی جدو جہد اور فعالیت کا آغاز کیا۔حسن البناء نے ۱۳۵۰ ہجری قمری میں اخوان المسلمین تحریک کے اغراض و مقاصد پر ایک کتاب شایع کی اور جمعیت اخوان المسلمین کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔۱۹۴۸ء میں اعراب اور اسرائیل کے درمیان ہونے والی جنگ کے دوران اخوان المسلمین تحریک نے فلسطینی عوام کی مدد کی اور اس کے اکثر ارکان نے اس جنگ میں شرکت کی۔ان حالات کے بعد ایک طرف اخوان المسلمین تحریک کی مسلمانوں میں مقبولیت بڑھ گئی دوسری طرف سے مصر کی حکومت اور برطانوی سامراج ان پر بہت ناراض ہوئے.

اسی وجہ سے ملک فاروق نے ۱۳۶۸ھ میں جمیعت کو ختم کرنے اور توڑنے کا فرمان صادر کیا اور جمیعت اخوان المسلمین نے اسی فرمان کی مخالفت میں مصر کے وزیر اعظم (نقراشی پاشا) کو قتل کر دیا نتیجہ میں اس دور کی مصری حکومت نے اس اقدام کے جواب میں اخوان المسلمین کے جنرل سیکریٹری یعنی حسن البناء کو ۱۳۶۹ ہجری قمری میں قتل کر دیا (دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۷، ص ۲۷۱) حسن البناء کا قتل اس وقت ہوا جب سید قطب امریکہ میں تھے، سید قطب نے مشاہدہ کیا کہ امریکی نشریات حسن البناء کے قتل ہونے پر خوشی وشادمانی کا اظہار کر رہے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے وہیں پر یہ فیصلہ کیا کے ۱۹۵۱ میں امریکہ سے واپس جانے کے بعد وہ سرکاری طور پر اخوان المسلمین تحریک میں شامل ہو جائیں گے۔ وہ اس تحریک کو اتنا دوست رکھتے تھے کہ بار بار کہتے تھے کہ میری ولادت ۱۹۵۱ میں ہوئی ہے (پیامبر وفرعون، ص ۳۹)

سید قطب اخوان المسلمین تحریک کے رکن بننے کے بعد، پہلے مکتب ارشاد کے رکن بنے اور پھر وہ اخوان المسلمین مجلّہ کی تحریری کونسل کے سربراہ منصوب ہوئے. اس مجلّہ اور دیگر مطبوعات میں ان کے سخت اور شفاف مقالات ان کی ۱۹۵۴ حسن الہضیبی کے ساتھ گرفتار ہونے اور پندرہ سال تک جیل میں جانے کا باعث بنے. جیل کا حکم صادر ہونے کے بعد، ان کو قدیمی جیل ''لیمان طرہ'' میں منتقل کر دیا گیا جو پانچ سو سال پرانی تھی۔ سید قطب نے جیل میں کتاب تحریر کرنے کا کام جاری رکھا اور عمدہ اور بہترین تفسیر ''فی ضلال القرآن'' کو انھوں نے جیل ہی میں لکھا. پانچ سال جیل میں رہنے کے بعد، سید جیل میں بیمار پڑ گئے اور سب کو ان کے مرنے کا خوف لاحق ہو گیا۔ لہٰذا مصر میں اخوان المسلمین کے اعلی عہدہ داروں نے عراق میں اس تحریک کے سکریٹری امجد زہاوی سے رابطہ کیا اور اس کو سفارش کی کہ وہ عراق کے اس وقت کے صدر عبدالسلام عارف کو واسطہ بنائے تا کہ وہ جمال عبدالناصر کو وہ سید کو جیل سے آزاد کرنے پر راضی کرے۔ عبدالسلام عارف نے پیغام بھیج دیا اور اس پیغام کے ذریعہ سید قطب ۱۹۶۴ میلادی میں جیل سے آزاد ہو گئے۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد تحریک کو جاری رکھنے پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ عبدالفتاح اسماعیل، تحریک کے اعلی رکن اور اس کے ہم خیال لوگوں کا یہ کہنا تھا

کہ جدوجہد کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔لیکن تحریک کے بعض ارکان اس خیال کے مخالف تھے۔چونکہ سید قطب میں جہادی اور انقلابی جذبہ تھا۔وہ عبدالفتاح اسماعیل کے ساتھ ملحق ہوگئے انھوں نے حکومت کی تبدیلی اور اسلامی نظام کو قائم کرنے کے بارے میں ایک کتاب تحریر کی، جو بعد میں ''معالم فی الطریق'' کے عنوان سے شایع ہوئی۔سید کی مسلسل جدوجہد اور ان کے افکار اور نظریات نے لوگوں کو بہت متأثر کیا بالخصوص مصری اور عالم عرب کے جوان ان سے بہت متأثر ہوئے لہٰذا ۱۹۶۵ء میں انھیں دوبارہ گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔مصری کمونیسٹ گروپ جو سید قطب کے افکار کے سخت مخالف تھے وہ وہاں یہ نعرہ لگاتے تھے: جمال، ذبح کرو، ذبح کرو۔جیل کا یہ دور جو چار مہینے تک رہا، اس میں سید کو ایک انفرادی جیل میں رکھا گیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے بھانجے رفعت کو قتل کیا گیا۔سید قطب کا مقدمہ درجہ ایک کا ملزم کی حیثیت سے جمال عبدالناصر کے حکم سے ایک فوجی عدالت ۱۹۶۶/۴/۱۲ عیسوی میں شروع ہوا جو ۳۶ دن تک جاری رہا اور مقدمہ کے ختم ہونے کے بعد وہ حکم صادر ہونے کے منتظر رہے۔

سید قطب کی شہادت

مقدمہ تمام ہوئے چار مہینے گزر گئے اور آخر کار مصر کے قاضی فؤادالدجوی نے اس طرح حکم صادر کیا سید قطب، محمد یوسف ہواش اور عبدالفتاح اسماعیل کو پھانسی کا حکم اور اخوان المسلمین تحریک کے باقی ارکان کو ۱۰ سال سے لے کر عمر قید تک کی سزا سنائی۔اپنے دوستوں کے اس سؤال کے جواب میں کہ پھانسی کی سزا کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ سید نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں پندرہ سال سے شہادت کی آرزو میں ہوں۔(ماچہ می گوئیم ص ۲۲) ان کے بعض دوستوں نے ان سے یہ درخواست کی کہ اپنے اعمال پر مافی مانگ لیں تا کہ ان کو پھانسی نہ دی جائے۔لیکن انھوں نے جواب دیا کہ میں نے جو عمل خدا کے لئے کیا ہے۔اس سے معافی نہیں مانگوں گا آخر کار پھانسی کا دن آ گیا اور

۱۹اگست ۱۹۶۶میں طلوع آفتاب کے وقت سید قطب اوران کے دوستوں کو پھانسی کے مقام پر لے جایا گیا۔سید نے سر اٹھا کے اور گشادہ وخندان چہرے سے فوجیوں کومخاطب کیا اور کہا کہ اقبال لاہوری کے شعر کا ترجمہ ہے: میں تمھیں مؤمن انسان کی علامت بتا رہا ہوں کہ جب اس کوموت آتی ہے تو وہ ہنس کر مرتا ہے۔خدا ان کی روح کوشاد رکھے۔ان کا راستہ اور مشن جاری وساری رہے۔

سید قطب کے آثار اور تألیفات

سید قطب نے بہترین تألیفات عالم اسلام کو پیش کی ہیں اوران کی بہت سی کتابیں فارسی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں ۔وہ آثار جو فارسی میں اب تک ترجمہ ہوئے ہیں انکی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔آفرینش ہنری درقرآن: ترجمہ محمد مہدی فولادوند،تہران بنیادقرآن ۱۳۶۷ش،۱۹۰ص

۲۔آینده درقلمرواسلام : ترجمہ علی خامنہ ای ،تہران ، دفتر نشر فرہنگ اسلامی ۔ ۱۳۶۹ش ۱۴۱ص

۳۔اسلام وصلح جہانی: ترجمہ وتوضیح ہادی خسروشاہی وزین العابدین قربانی،تہران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی ۔۱۳۶۸ش ۲۴۸ص (یہ کتاب السلام العالمی والاسلام کا ترجمہ ہے کہ جو زیر بنای صلح جہانی کے عنوان سے اسی ناشر نے شایع کی)

۴۔ترجمہ تفسیر فی ظلال القرآن: ترجمہ علی خامنہ ای،تصحیح حسن نیری،تہران، بی نا،۱۳۶۲ش

۵۔ترجمہ فارسی فی ظلال القرآن : ترجمہ مصطفیٰ خرم دل ،تہران نشر احسان ، ۱۳۷۸ش ، ۱۵جلد

۶۔ چرا اعدام کردند؟: ترجمہ مصطفیٰ اربابی،سراوان کتابفروشی خالد بن ولید،۱۳۶۹، ۸۶ص

۷۔دورنمای رستاخیز درادیان پیش وقرآن : ترجمہ غلام رضا خسروی حسینی ،مقدمہ از جلال

الدین مجتبوی، تہران، انتشارات مرتضوی، ۱۳۶۳، ۴۹۶ص

۸۔ عدالت اجتماعی در اسلام: مباحثی در زمینہ ہای جامعہ، اقتصاد، سیاست وحکومت، ترجمہ و توضیحات سید ہادی خسروشاہی ومحمد علی گرامی، تہران، کلبہ شروق، ۱۳۷۹، ۵۲۰ص

۹۔ فابعہ تمدن و رسالت در اسلام، ترجمہ علی حجتی کرمانی، تہران، شغل دانشجو، ۱۳۷۶ش، ۲۵۵ص

۱۰۔ فی ظلال القرآن: ترجمہ محمد علی عابدی، تہران، مرکز نشر انقلاب، ۱۳۶۲

۱۱۔ ما چہ می گوئیم: ترجمہ وتفسیر از ہادی خسروشاہی، تہران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۷۰ ش، ۱۱۰ص

۱۲۔ نامہ سید قطب بہ خواہرش آمنہ: ترجمہ جلال معروفیان، تہران نشر احسان، ۱۳۸۱ش، ۴۵ص

۱۳۔ نشانہ ہای راہ، ترجمہ محمود محمودی، تہران، نشر احسان، ۱۳۷۸ش، ۲۵۶ص

۱۴۔ ویژگی ہای ایدیولوژی اسلامی، ترجمہ محمد خامنہ ای تہران، کیہان، ۱۳۶۹، ۳۶۸ص

اسی طرح یہ کتابیں:

۱۔ امریکہ از دیدگاہ سید قطب: ترجمہ مصطفیٰ اربابی، تہران، نشر احسان، ۱۳۷۰ش، ۲۶۵ص

۲۔ سید قطب واشعار او: تألیف عبداللہ رسول نژاد، تہران، نشر احسان، ۱۳۷۹ش، ۲۷۱ص

۳۔ سید قطب از ولادت تا شہادت: نوشتہ صلاح عبدالفتاح خالدی، ترجمہ جلیل بہرامی نیا، تہران، نشر احسان، ۱۳۸۰ش، ۷۱۲ص

۴۔ بررسی مقایسہ ای مفہوم عدالت مطہری، شریعتی، سید قطب: مؤلف علی رضا مرامی، تہران، مرکز اسناد انقلاب اسلامی، ۱۳۷۸ش، ۱۹۷ص

۵۔ متفکر نابغہ اسلام: سیف اللہ رحیمی مزرعہ شیخ، مشہد مؤسسہ انتشارات خاتم،

۱۳۷۷ش،۸۲ص

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں سید قطب کے حالات کے بارے میں لکھا گیا ہے جو فارسی زبان میں ہیں۔ان کتابوں کے علاوہ سید قطب نے اور کتابیں بھی تحریر کی ہیں جو ان کی زندگی کے دوران شائع ہوئی ہیں۔

ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

۱۔الاسلام ومشکلات الحضارہ: سید قطب،قم،دارالکتاب الاسلامی،۱۴۱۲ق،۱۹۹ص

۲۔التصویرالفنی فی القرآن: سید قطب ،قم، دارالکتاب الاسلامی،۱۴۱۲ق، ۲۰۸ص، (انھوں نے اس کتاب میں قرآن کی زیبائی اورخوش اسلوبی کی طرف اشارہ کیا ہے۔یہ اثر''آفرینش ہای ہنری درقرآن'' کے نام سے فارسی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔سید قطب نے اس کتاب کے تتمہ میں کتاب''المشاہدالقیامہ فی القرآن'' تحریر کی جس کوانتشارات دارالسعد نے قاہرہ میں جداگانہ شائع کیا ہے۔)

۳۔ہذالدین: سید قطب،قم،ادب،۱۳۷۱ش،۹۶ص

۴۔خصائص التصور الاسلامی ومقوماتہ: سید قطب ،قم دارالکتاب الاسلامی ،۱۴۱۰ق ، ۲۳۶ص

۵۔مہمۃ الشاعرفی الحیاۃ وشعرالجیل الحاضر: سید قطب،قاہرہ،بی نا،۱۹۳۳م(یہ کتاب وہی مقالہ ہے جسے سید نے دارالعلم کالج میں ایک کانفرانس میں پیش کیا تھا۔)

۶۔الشاطئی المجہول: سید قطب،قاہرہ بی نا،۱۹۳۵ء،۲۰۸ص(یہ کتاب سید قطب کا پہلا شعری مجموعہ ہے جوصرف ایک بارشایع ہوا ہےاور چونکہ اس کتاب کے بعض قصیدے اسلامی تحریک سے ہماہنگ نہیں تھے،سید نے کتاب کے مقدمہ میں بعض قصائد میں تنقید کی ہے،لہذاان کے دوبارہ چھپنے کی اجازت نہیں دی گئی۔یہ کتاب امریکی کانگرس کی لائبریری اورلندن کی کی قومی لائبریری میں موجود ہے۔)

۷۔نقد کتاب مستقبل الثقافۃ فی مصر: سید قطب، قاہرہ، ۱۹۳۹م (اس کتاب میں طہ حسین کی ''مستقبل الثقافۃ'' کتاب پر تنقید کی گئی ہے۔)

۸۔الأ طیاف الاربعہ: سید قطب، قاہرہ، نشر جامعین، ۱۹۴۵م (اس کتاب میں ان کے بھائیوں اور بہنوں حمیدہ، امینہ، محمد اور ان کے اپنے یادداشتیں ہیں۔)

۹۔طفل من القریہ: سید قطب، قاہرہ، نشر جامعین، ۱۹۴۶م (یہ کتاب سید کے بچپنے سے لے کر قاہرہ کے سفر اور ان کی زندگی کے تفصیلات پر مشتمل ہے۔)

۱۰۔المدینہ المسحورہ: سید قطب، قاہرہ، دار المعارف، ۱۹۴۶م (شہر یار اور شہر زاد کے درمیان عشقی کہانی کے بارے میں ہے۔)

۱۱۔العدالہ الاجتماعیہ فی الاسلام: سید قطب، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۴م (یہ کتاب عدالت اجتمائی در اسلام کے عنوان فارسی زبان میں ترجمہ ہوئی اور اب تک یہ کتاب ۲۵ بار شایع ہوچکی ہے۔)

۱۲۔معرکۃ الاسلام والرأسمالیہ: سید قطب، بیروت (اس کتاب کا آیۃ اللہ سید محمد شیرازی نے فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور اسلام وسرمایہ داری کے نام سے تہران میں شایع ہوئی ہے۔)

۱۳۔السلام والعالمی والاسلام: سید قطب، قاہرہ، دار الکتاب العربی، ۱۹۵۰م (اس کتاب میں عالمی امن کے سلسلے میں حائل مشکلات پر بحث کی گئی ہے۔)

۱۴۔تفسیر فی ظلال القرآن: سید قطب، بیروت دار الشروق، ۱۴۱۵ق، ۶ جلد (سید نے التصویر الفنی فی القرآن کتاب کی تألیف کو جاری رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ پورے قرآن کی جہادی تفسیر کرے۔اس تفسیر کے ۴ مرحلے ہیں: پہلا مرحلہ: فی ظلال کے عنوان سے ان کے مقالات مجلّہ المسلمون میں شایع ہوئے جن کا سلسلہ ۱۹۵۲ء تک جاری رہا اور سید نے سورہ بقرہ کی ۱۰۳ آیتوں کا ترجمہ کیا۔دوسرا مرحلہ: وہ تھا جب سید نے یہ ارادہ کیا کے پورے قرآن کی ایسی تفسیر کریں جو ایک مستقل کتاب کی صورت میں سامنے آئے۔اس کے پہلے جزء کو دار احیاء الکتب العربیہ نے قاہرہ میں

شایع کیا اور ۱۹۵۴ء تک اس کے ۱۶ پارے شایع ہوئے۔ تیسرا مرحلہ: ان کے جیل کے دوران کے متعلق ہے جس میں انھوں نے پورے قرآن کی تفسیر کی۔ چوتھا مرحلہ اس تغیرات سے مربوط ہے جو سید نے اس تفسیر میں انجام دیئے ہیں۔ انھوں نے جیل میں اپنے بارے میں سوچا کے مجھے کیوں جیل میں ڈالا گیا اور آخر کار اس کی علت انھیں اپنی جہادی و انقلابی تحریک میں نظر آئی۔ اسی لئے انھوں نے یہ ارادہ کیا کہ اسی جیل میں قرآن کی جہادی تفسیر لکھیں۔ پہلے قرآن کے آخری ۳ پارے اور پھر پہلے ۱۰ پاروں کی جہادی عنوان سے تفسیر کی اور دار احیاء الکتب العربیہ انتشارات نے اسے شایع کیا۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد ۱۱ پارے سے ۱۳ پارے تک دوبارہ جہادی عنوان سے تفسیر کی۔ لیکن باقی پاروں کی تفسیر نہیں لکھ پائے، کیونکہ جیل ہی میں ان کی پھانسی کا حکم آ گیا اور ان کو شہید کر دیا گیا۔ تفسیر فی ظلال القرآن اب تک بہت شائع ہوئی ہے۔ اور انگریزی، فرانسیی، ترکی، فارسی، اردو اور اسپنیش زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔)

منابع و مآخذ

۱۔ آیندہ در قلمرو اسلام، ترجمہ علی خامنہ ای، تہران، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۹ش

۲۔ ترجمہ مصطفیٰ اربابی، چرا اعدام کردند؟ سراوان، کتاب فروشی خالد بن ولید، ۱۳۶۹ش

۳۔ دائرالمعارف بزرگ اسلامی، زیر نظر کاظم بجنوردی، تہران مرکز دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، ۱۳۸۰ش، ج ۷

۴۔ ربیع بن ہادی عمیری، مطاعن سید قطب فی اصحاب رسول اللہ عربستان، ۱۹۹۷م،

۵۔ ژیل کوپل پیامبر و فرعون

۶۔ سید قطب قاہرہ طفل من القریۃ، نشر جامعین ۱۹۴۶م

۷۔ سید قطب ما چہ می گوییم، ترجمہ و تفصیل از ھادی خسرو شاہی، تہران دفتر نشر فرہنگ

اسلامی، ۱۳۷۰ش

۸۔سید قطب، ویژگی های ایدیولوژی اسلامی، ترجمہ علی جمتی کرمانی، تہران، انتشارات اسلامی، بی تا

۹۔سید ہادی خسروشاہی، فصلنامہ تاریخ فرہنگ معاصر، ش۶

۱۰۔ صلاح عبد الفتاح خالدی ، الشہید سید قطب من المیلاد الی الاستشہاد ، دمشق ، دار الفکر ۱۹۹۹م، ص۴۲

۱۱۔عدالت اجتماعی در اسلام: مباحثی در زمینہ ہای جامعہ، اقتصاد، سیاست وحکومت۔ترجمہ و توضیحات سید ہادی خسروشاہی ومحمد علی گرامی، تہران کلبہ شروق ۱۳۷۹ش

۱۲۔محمد مسجد جامعی، زمینہ تفکر سیاسی در قلمرو تشیع وتسنن

(تمام)

عالم اسلام کا تعارف

اسلام، ملیشیا میں

۞ عبدالمجید ناصر داودی

۞ ترجمہ: سید شجاعت حسین گوپالپوری

ترقی یافتہ اسلامی ممالک میں سے ایک ملک ملیشیا ہے جو ایشیا کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ جیسے ہی اس سرزمین پر اسلام آیا اس کے اطراف کے جزیروں جیسے انڈونیشیا، فیلیپین، اور تھائیلنڈ میں بھی پہنچا اور بڑی تیزی کے ساتھ وہاں کی عوام کے دلوں میں اتر گیا۔

اسلام اس سرزمین پر مسالمت آمیز طریقے سے مہاجرت اور تجارت کے ذریعہ پہنچا اور وہاں کی اہم اور اصلی قوم یعنی مالایو کو اس نے اپنی طرف جذب کرلیا اور آہستہ آہستہ ان کے افکار، ثقافت اور اجتماعی زندگی کا جزء لاینفک بن گیا۔

سامراجی طاقت کے مقابلہ میں مقاومت کا آغاز بھی مسلمانوں اور اسلامی ثقافت واقدار کے ذریعہ ہوا اور آج بھی وہ نہ یہ کہ صرف گھریلو زندگی اور اس علاقے کے مسلمانوں کی ثقافت اور آداب ورسوم کی شکل میں نظر آتا ہے بلکہ اجتماعی اور سیاسی مسائل میں بھی اس کی اہمیت بڑھتی جارہی ہے۔ دیگر ادیان والے جیسے بدھسٹ، عیسائی اور ہندو وغیرہ بھی اس کی بالادستی کے قائل ہیں۔ ملیشا

کی ترقی میں خاص طور سے تعلیم ، رفاہ اجتماعی اور اقتصادی سلسلے میں سیاسی رہبران بھی کہتے ہیں اور مذہبی رہبران بھی کہ یہ ساری ترقی اس اسلامی ثقافت وافکار کی وجہ سے جو ملیشیا کی عوام پر غالب ہے۔

ملیشیا ایک مشہور اور ترقی یافتہ اسلامی ملک ہے جس نے آخری دہائیوں میں ترقی یافتہ اور بڑے مالدار ملک کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائی ہے، اسی ترقی اور امن وامان کی وجہ سے اس کو پہلے اسلامی کانفرانس کی ریاست پھر عدم وابستہ ممالک کی ریاست ملی اور علاقے اور بین الاقوامی مسائل میں بھی اس کا کردار اہم ہوگیا ہے اور آخری دہائیوں میں دو بڑے خطرے ایک جنوب مشرقی ایشیا کے اقتصادی بحران اور دوسرے سونامی کے زلزلے سے بہت کم اس کو نقصان پہنچا تھا، اسی وجہ سے اپنے بہت سارے ہمسایہ ممالک کے برخلاف اقتصادی اور سیاسی ترقی کی طرف گامزن ہے۔

ملیشیا کا جغرافیہ

یہ ملک ایشیا کے جنوب مشرق میں واقع ہے، تھائیلنڈ اس کے شمال میں اور جنوب مشرق میں انڈونیشیا ہے، دریائے چین اس کے مشرق میں اور بحر ہند اور بحر کاہل اس کے جنوب مشرق میں ہیں۔

اس ملک کی مساحت ۳۳۰۴۳۴ کلومیٹر ہے اور اس میں تین اہم جزیرے سارا واک، مالایا اور صباح ہیں اور مشہور ندیاں ''پاہنگ'' اور ''کلانتمان'' ہیں۔ جو جنوب چین سے جا کر ملتی ہیں۔ ۷۵ فی صد زمین پر جنگل ہے، یہاں کی آب وہوا گرم ومرطوب ہے آٹھ ہزار قسم کے یہاں نباتات ہیں جن میں ۲۵۰۰ قسم کے درخت ہیں۔ یہاں کے جنگل اتنے گھنے ہیں کی سورج کی کرنیں زمین تک نہیں پہنچ پاتی ہیں، گرچہ آخری دہائیوں میں شدید آندھی اور طوفان نے ان کو نقصان پہنچایا ہے۔

ملیشیا میں رہنے والی قومیں

ملیشیا، ایشیا کے جنوب مشرق کے پانی کے راستے میں واقع ہے، اس کا جائے وقوع باعث بنا

کہ ایشیا کی مختلف قومیں اس سرزمین پر آئیں۔ یہاں اہم چار قومیں رہتی ہیں۔ ارانگ اصلی، مالایو، چینی، اور برصغیر ہند سے آنے والے۔

تعداد کے لحاظ سے سب سے کم ارانگ اصلی ہیں، یہ قوم تین گروہ میں تقسیم ہوتی ہے جا کیوں، سامنگ اور سنوئی، ان تینوں گروہوں کا دین وثقافت ایک نہیں ہے، کچھ نے اسلام قبول اور اکثر سنتی مذاہب کے پیرو ہیں۔

قوم مالایو جس کی تعداد ملک کی آبادی کے آدھے سے زیادہ ہے، سیاسی لحاظ سے سب سے زیادہ مضبوط ہے، وہ سب کے سب مسلمان اور ایک دین وثقافت وزبان کے حامل ہیں۔

ملیشیا کی دوسری قوم چینیوں کی ہے جو سات گروہ میں ہیں، بعض صوبوں میں ان کی تعداد وہاں کی آبادی کی ایک تہائی ہے اور چوتھی قوم ہندوستان و پاکستان اور سری لنکا سے آنے والوں کی ہے۔ ان کی تعداد ملک کی آبادی کا دسواں حصہ ہے۔ قوموں کے لحاظ سے سارے جزیرے یکساں نہیں ہیں، زیادہ تر قومیں مشرقی جزیرے میں رہتی ہے، دو جزیرے سارا واک اور صباح میں ۲۵ قومیں رہتی ہیں۔

ملیشیا، ماضی کے آئینے میں

وہ جزیرے جنھیں آج ملیشیا کہا جاتا ہے اس کی سرنواشت اس کے اطراف کے ممالک انڈونیشیا، فیلیپین، سنگال اور تھائیلنڈ وغیرہ سے جدا نہیں ہے ہزاروں سال سے لوگ وہاں رہ رہے ہیں۔

محکمہ آثار قدیمہ کی اطلاع کے مطابق تقریبا چھ ہزار سال سے پہلے سے ملیشین وہاں رہ رہے ہیں۔ زمانہ برنز (دھات) کا تمدن کہن اور دیگر ثقافتوں کے نقوش آج بھی وہاں موجود ہیں۔ باوجودیکہ وہاں چینی پہلے پہنچے مگر ہندوستان کے تمدن وثقافت نے جس کی بازگشت دوقرن قبل از میلاد

کی طرف ہوتی ہے اس علاقے کا احاطہ کرلیا اور انڈونیشیا کی طرح ملیشیا پر بھی اس ثقافت کا غلبہ رہا۔

بعد از میلاد ایک ہزار سال تک ملیشیا کا مشرقی ساحل ہندوستانیوں اور دیگر مناطق سے آئے ہوئے افراد کی وجہ سے تغیر سے دوچار ہوتا رہا، چھوٹی چھوٹی حکومتیں لوگوں کے امور کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھیں، بعض منابع نے ان حکومتوں کی تعداد تیس بتائی ہے۔ مختلف اقوام نے وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ جو اکثر مالایو تھے، زندگی گزارنے کی وجہ سے ان کی ثقافت کو اختیار کیا تھا۔

اسلام کا ورود

جیسا کہ اشارہ کیا گیا اسلام سے پہلے ملیشیا میں قومی، ثقافتی اور سیاسی اتحاد برقرار نہیں ہوا تھا، مختلف جزیروں میں رہنے والوں کے درمیان حتی ایک جزیرہ میں رہنے والوں میں بہت زیادہ فاصلہ تھا، ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو سب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکتی نہ ہی کوئی بڑی حکومت بن پائی تھی جو مختلف اقوام کو ایک دوسرے سے مربوط کرسکتی، چھوٹی حکومتیں اپنے منافع کو خطرے میں اور علاقے کے لوگوں کو اپنے سے دور دیکھتی تھیں اور اس فاصلے کو دور کرنے کی فکر میں بھی نہیں تھیں۔ ملیشیا کے جزیروں میں تجارتی رونق اور سود آور زراعت باعث بنے کہ جنوبی اور مغربی ایشیا کے مسلمان یہاں آئیں اور یہاں کے لوگوں سے روابط برقرار کریں، آنے والوں میں بعض نے یہیں پر سکونت اختیار کرلی۔ مسلمانوں کی کثرت سے آنے کی وجہ سے ملیشین اسلام سے آشنا ہوے اور وہ مسلمانوں کی دوراندیشی، عقلمندی اور ثقافتی برتری کی وجہ سے اسلام کی طرف جذب ہونے لگے، ان میں سے کچھ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان آئین اسلام کی تبلیغ وترویج ہونے لگی جس کی وجہ سے ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ علاقائی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے باوجود اسلام نے بہت جلد حکومتوں پر اپنا سکہ جما لیا اور بعض حکومتوں کا رسمی دین بن گیا۔ ہندوستان میں جلد اسلام پہنچنے کے باوجود اقلیتوں اور حملہ آوروں کا دین شمار ہوتا تھا جب کہ ملیشیا میں اس کو دوسری نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

نیا تجربہ:

ملیشیا میں اسلامی ثقافت جو مسلمان تاجروں کے وہاں آنے ، ملایوں کے مسلمانوں سے ارتباط برقرار کرنے اور اسلام قبول کرنے ،تبلیغ اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت کے ذریعے پہنچا تھا، پہلا تفاوت ہے ایشیا کے جنوب مشرق ایشیا میں اسلام پہنچنے اور جنوبی ایشیا یعنی ہندوستان پر مسلمانوں کی لشکر کشی کے درمیان ہندوستان پر لشکر کشی کا یہ فائدہ تو ہوا کہ وہاں اسلام پہنچنے اور مسلمانوں کی سعی و کوشش کو مؤرخوں نے تحریر کیا، شاعروں نے تمجید کی ،فقہاء نے تائید کیا اور خلفاء وسلاطین نے فخر و مباہات کر کے اس کو تاریخی حیثیت عطا کی مگر اس پر منفی اثرات بھی مرتب ہوئے اور مسلمانوں کو ظاہری پیشروی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

مشرقی جنوب میں مسالمت آمیز طور پر اسلامی ثقافت کے پہنچنے کی وجہ سے مدتوں اہل قلم کی اس پر نظر نہیں پڑی، اہل سیاست بھی یا اس سے بے خبر رہے یا اس سے بے التفاتی برتی۔ اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں بھی ملیشین اور ہندوستانیوں کے درمیان فرق تھا۔ ہندوستان میں اکثر پسماندہ طبقے نے اسلام قبول کیا تھا اور صاحبان علم ، سیاست ،فرہنگ اور صنعت کار یا جزیہ دینے والے اپنے آئین پر باقی تھے یا ہندوستان کے جنوبی علاقے کی طرف چلے گئے تھے اور ہندوستانی تمدن وثقاوت کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ عملی طور پر ایک عرصہ تک اسلام کو غیر ملکی دین سمجھا گیا جس کو پسماندہ طبقے نے تسلیم کیا تھا یا بزدلوں نے تلوار کے ڈر سے سر نیاز خم کیا تھا، جب کہ ملیشیا میں اسلام کو اشراف ،تجار اور سماج کی اہم شخصیتوں نے قبول کیا تھا اور اس ثقاوت کو انسانی زندگی کے لئے ضروری سمجھا تھا۔

جنوب مشرقی ایشیا میں اسلام کے آتے ہی لوگوں کی ترقی میں اضافہ ہوتا رہا۔ مختلف قسم کی خرافات اور تفرقہ انگیز عقیدے سے لوگ رہائی پانے لگے، ثقافتی اور قومی یکجہتی پیدا ہونے لگی اور یہ لوگ عالم اسلام سے ملحق ہوگئے ، یہ سب کچھ کسی تخریب کاری، ویرانی اور قتل وغارتگری کے بغیر ہوا۔ اسلام نے نہ یہ کہ صرف ایک جزیرہ کے لوگوں میں میل محبت پیدا کیا بلکہ ان جزیروں کو ایک دوسرے

سے نزدیک کیا جو ایک دوسرے سے دور بلکہ ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

اس خطے میں اسلام گرچہ دوسری اور تیسری ہجری میں پہنچا تھا لیکن پندرہویں صدی عیسوی یا نویں صدی ہجری کے بعد اس کو پیشرفت حاصل ہوئی تھی، اس پیشرفت میں ہندوستان میں مغلوں کی حکومت اور مغرب میں صفوی اور عثمانی حکومت کا کردار رہا ہے۔ اسلام نے تقریبا سارے ملیشین کو اپنی طرف جذب کرلیا تھا، مگر چونکہ اس علاقے میں چینی، ہندی اور دیگر اقوام کی رفت وآمد رہی لہٰذا بودھست، ہندو اور سامراجی طاقت کے قبضہ کے دوران عیسائی وہاں رہنے لگے اور ایک علاقہ انھیں سے مخصوص ہوگیا اس کے باوجود اسلام کا غلبہ رہا اور وہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

ملیشیا اور سامراجی طاقتیں

سولہویں صدی عیسوی میں ملیشیا میں پرتغال آئے تھے، تھوڑی مدت کے بعد سترہویں صدی میں ہولنڈی آئے ان کے بعد انیسویں صدی عیسوی میں برطانیہ نے اس اسلامی سرزمین پر قبضہ کرلیا تھا، اس کے باوجود اسلام وہاں پر پھیل رہا تھا اور سامراجی طاقتیں نہ یہ کہ اس کے پھیلاؤ کو نہ روک سکیں بلکہ غارتگری، زور گوئی اور سرکوبی کے باوجود پھیلاؤ میں اور تیزی آگئی اور لوگ اسلام کے مختلف پہلوؤں سے بہت زیادہ واقف ہوگئے۔

انیسویں صدی میں برطانوی حاکمیت کے زمانے میں عیسائیت کی بہت زیادہ تبلیغ ہوئی تھی، انھوں نے سامراجی اور مغربی طاقتوں کا سہارا لے کر ہاسپٹل، مذہبی اور غیر مذہبی اسکول بنا کر اسلام کی تضعیف اور لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی تھی، مگر اس میں ان کو کامیابی نہیں ملی اور ملک میں عیسائی اور چینیوں کی آبادی سات فیصد سے زیادہ نہ ہوسکی۔ بہرحال سامراجی طاقت کے رہنے اور ان کی طرف سے ہونے والے گوناگوں مظالم کی وجہ سے ملیشیا کے جزیروں میں اسلامی اور قومی یکجہتی بڑھتی گئی اور وہاں کی عوام اسلامی تعلیمات اور دینی ثقافت پر بھروسہ کرتے ہوئے سامراجی طاقت کے

مقابلے کے لئے کھڑے ہوگئے جس کا پرچم مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں تھا۔ ملیشیا کی آزادی میں اسلام نے کلیدی رول ادا کیا ہے اور ملک کو ٹکڑوں میں بٹنے سے بچایا ہے اور دیگر ادیان کے مقابلے میں جو برتری لوگوں کے دلوں میں اس کو حاصل تھی اس کی بنا پر ملک کو ایک رکھا ہے۔

۱۹۵۷ء میں ملیشیا کی آزادی کے بعد سامراج کی شرارت کا سلسلہ نہیں رکا اور اس نے ۱۹۶۳ء میں سنگاپور کو ملیشیا سے جدا کر کے اس اسلامی ملک پر ایک کاری ضرب لگائی تھی۔

ملیشیا میں وجود اسلام کی علامتیں

سامراج کو شکست کھانے اور اس ملک کے آزاد ہونے کے بعد ملک کے لئے اسلام ایک فرہنگ ساز اور مؤثر ترین دین ثابت ہوا اور دین مخالف قوم پرست گروہ کی کوششیں جن کو مغرب زدہ روشن فکروں کی پشت پناہی حاصل تھی ناکام رہیں اسی طرح چین کے ذریعے ملیشیا میں مقیم چینیوں کے درمیان جو بدھسٹ تھے کمیونزم کی ترویج بھی عوام پر غالب دینی جذبے کو متأثر نہ کر سکی اور نہ ہی سیاست و معاشرے سے اسلام کو دور کر سکی۔ لوگوں میں یہ دینی اور معنوی جذبے اس وقت بھی نظر آئے جب یہ ملک سامراج کے قبضے میں (قرن ۱۹، ۲۰ میں) تھا اور آج بھی جب وہ سامراجی پنجوں سے آزاد ہو چکا ہے۔

ملیشیا کی دو کروڑ کی آبادی میں ساٹھ فیصد مسلمان ہیں، اس طرح وہاں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ ان سب پر اسلامی ثقافت غالب ہے جو مندرجہ ذیل صورتوں میں نظر آتی ہے:

۱۔ عورتوں میں اسلامی حجاب کی رعایت خواہ وہ ملایو ہوں یا دیگر اقوام کی عورت ہو، اگر وہ مسلمان ہے تو اسلامی حجاب کی رعایت کرتی ہے۔ یہاں کی عورتیں بہت سادہ لباس پہنتی ہیں اور زیور وغیرہ پہننے میں قناعت سے کام لیتی ہیں، حتی وہ افراد جو سیاسی اور علمی فعالیت انجام دیتے ہیں ماہ رمضان میں اذان کی آواز سنتے ہی اپنے نوکروں کے ساتھ بہت ہی سادہ غذا سے افطار کرتے ہیں۔

❁ ۲۔شادی بیاہ، بچے کی ولادت، طلاق اور مرنے کے وقت اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جاتا ہے، ان مواقع پر اسلامی تعلیمات سے ہٹ کر کسی اور چیز کا وہاں تصور نہیں ہے۔

❁ ۳۔مختلف طبقوں میں ممتاز علمائے دین، مذہبی معلمین اور حجاج کا مقام و مرتبہ یہاں کے عوام کی دینداری کی علامت ہے۔ ذرائع ابلاغ نے جب استعماری دوران کے ملیشین مسلمانوں کا جایزہ لیا تو لکھا:

''دیہات کے علماء اسلام کے حقیقی نمائندے تھے، وہ اچھے کام پر نظر رکھتے تھے اسلامی علوم کی تدریس کرتے تھے، مراسم ازدواج و مرگ کی نظارت کرتے تھے، جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ بیماروں کا علاج کرتے تھے۔ بیت المال کی حفاظت اور اسلامی ٹیکس کی جمع آوری کرتے تھے۔ شادی بیاہ کے موقع پر سارے علما اور ثروتمندوں کی پشت پناہی کی وجہ سے ان کا اثر ورسوخ بڑھ جاتا تھا۔ وہ حکومت کے زیر نظر کام نہیں کرتے تھے اپنی شرعی ذمہ داری ادا کرتے تھے۔ وہ شافعی مکتب فقہی سے وابستہ اور صوفی سلسلے سے مربوط تھے۔''

❁ ۴۔ سارے مسلمانوں کے بارے میں میلشیاؤں کا حساس ہونا ان کے دلوں میں نفوذ اسلام کی علامت ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں کسی سے بھی اس ملک نے سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ یہ کہا کہ ''اسلامی ممالک اپنے اختلاف کو دور کریں اور متحد ہو کر دنیائے اسلام کی مشکلات کو دور کریں''

ان آخری دہائیوں میں مختلف مقامات پر مسلمان جن مشکلات سے دوچار ہوئے جیسے بالکان (بوسنی ہرزگوئین) میں مسلمانوں کا قتل عام اور فلسطینیوں پر ہوئے مظالم، اس سلسلے میں ملیشیا نے بہت فعال اور دلسوزانہ رویہ اختیار کیا جس کی وجہ سے بعض مغربی ممالک نے اپنا ردعمل دکھایا تھا۔ اس ملک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ فلسطین اور افغانستان جیسے دنیائے اسلام کے بین الاقوامی مسائل میں ملیشیا کے مسلمانوں نے ہمیشہ مثبت قدم اٹھایا ہے۔ دوسری جگہوں کے مسلمانوں کی بہ نسبت ملیشین اپنے مسلمان ہونے پر زیادہ فخر کرتے ہیں۔ وہ کردار کے اچھے اور عزت آبرو کے ساتھ

زندگی گزارتے ہیں۔ مذہبی گروہ صلح وصفا کے ساتھ رہتے ہیں، ملیشیا میں مسلمان ہونا افتخار اور عزت نفس کا باعث ہے۔

دین وسیاست

ملیشیا میں دین و مذہب ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، وہاں کی مذہبی تحریکیں ''جنبش دعوت'' میں خلاصہ ہوتی ہیں، اس تحریک کا ہدف غیر مسلمانوں کے درمیان صرف اسلام کی تبلیغ کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اختلافی موضوعات کو ختم کر کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و ہمبستگی پیدا کریں۔ ایک چھوٹا سا شدت پسند گروہ بھی ہے جو غیر مسلم خاص طور سے ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور پولیس چوکیوں پر حملہ کرتا ہے، مگر ان کی کوئی گنتی نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کے درمیان ان کی کوئی اہمیت ہے۔

ملیشیا کے آئین کے مطابق یہاں کا رسمی دین، اسلام ہے۔ لیکن عوام انتخاب دین اور مراسم دینی کے انجام دینے میں آزاد ہے، حتی دیگر مذاہب کے افراد کو اپنے ہم مذہب کے درمیان تبلیغ کرنے کی اجازت ہے۔

بادشاہ، وزیر اعظم اور صوبوں کا حکمراں مسلمان ہی ہوگا، لیکن ضروری نہیں ہے کہ کیبنیٹ میں سب کے سب مسلمان ہوں، غیر مسلم بھی اس میں رہ سکتا ہے۔ صوبوں کا حاکم مذہبی رہبر کی حیثیت رکھتا ہے، بادشاہ اور مذہبی پیشوا صوبوں کے حاکموں میں سے یکے بعد دیگرے انتخاب ہوتے ہیں۔ ملیشیا کی حکومت نے ملک کی حفاظت اور مذہبی اختلاف کو روکنے کے لئے ''شورائے ملی اسلامی'' اور ''فتوا کمیٹی'' جیسے مختلف ادارے بنائے ہیں جو مسلمانوں کی فعالیت کی نگرانی کرتے ہیں، اس طرح مذہبی امور کو حکومت کے ساتھ ہماہنگ کرتے ہیں اور دینی کتابیں، مذہبی فتاوے مساجد کی فعالیت اور دینی مدارس کو اپنے زیر نظر رکھتے ہیں۔

ثقافتی مسائل میں ملیشیا کی حکومت کی یہ سیاست رہتی ہے کہ اس بات کو ثابت کرے کہ اسلام نفع بخش دین اور جمہوریت سے سازگار ہے، اسی طرح اخوت اسلامی، غیر مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک، صداقت، امانتداری، نظم وضبط، اتحاد و ہماہنگی، نظافت و پاکیزگی اور بزرگوں کا احترام جیسے بعض اسلامی اقدار کی اشاعت، معاشرے حتی غیر مسلمانوں کے لئے مفید ہے، اسی لئے ملیشیا کی حکومت شدت پسند نظریئے کی مخالف ہے اور اس کو اسلام کے جمہوری نظام کے مغایر سمجھتی ہے۔

زبان اور رسم الخط

ملیشیا کی رسمی زبان مالایو یا ہاسا مالیزیا ہے، پورے ملک میں یہی زبان بولی جاتی ہے۔ برطانیہ کے قبضہ کرنے سے پہلے یہ زبان، عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی، مگر برطانیہ کے قبضہ کے بعد سامراجی اور اسلام مخالف سیاست کی وجہ سے اس کا رسم الخط، انگریزی رسم الخط میں بدل گیا، گرچہ اس میں اب بھی بہت سارے عربی الفاظ پائے جاتے ہیں۔

اس ملک کی دوسری زبان انگریزی ہے، مختلف قومیں مختلف زبانوں میں باتیں کرتی ہیں جن میں چینی، ہندی، تامل، مون ضری، پنجابی بنگالی، پشتو اور سینہالی ہیں۔

ملک کی ترقی میں اسلام کا کردار

ملیشیا کے مسلمان صلح پسند، بردبار اور متدین ہیں، وہ لڑائی جھگڑا، قانون شکنی اور بدنظمی سے پرہیز کرتے ہیں، دنیا کی بے نظیر مناروں والی سب سے بڑی مسجد ملیشیا کے پایتخت کوالا لامپور میں بنائی گئی ہے۔

ملیشیا کا انڈونیشیا سے بعض جزیروں پر اختلاف ہوگیا تھا جس کی وجہ سے ساٹھ کی دہائی میں دونوں ملکوں کے روابط میں تلخی پیدا ہوگئی تھی، مگر اس کے حق میں لاہہ کی عدالت کے فیصلے اور ان اختلافی جزیروں پر قبضہ کرنے کے بعد اب کسی ہمسایہ ملک سے اس کا اختلاف نہیں رہا۔

ایک کتاب : خلاصہ و تبصرہ

جدید اشاعتیں

بیرونی کتابیں

اس حصہ میں ان جدید فارسی وعربی کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے جو اتحاد بین المسلمین کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔

استراتژی تقریب بین مذہب اسلامی

سازمان ایسکو جس کا مرکز تونس میں ہے اس نے ادھر ابھی جلد ہی ایک کتاب شائع کی ہے جس کا عنوان ہے'' **استراتیجیة التقریب بین المذاهب الاسلامیة** ''(اسلامی مذاہب کے درمیان ایک دوسرے سے قریب ہونے کی تحریک) جس میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے نزدیک ہونے اور آپس میں تفرقہ اور اختلاف سے بچنے کے طریقۂ کار اور نظریات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب چھ(۶) فصلوں پر مشتمل ہے۔ مندرجہ ذیل باتیں اس کتاب کا اصل موضوع ہیں:

''اختلاف کی شناخت اور اسلامی مذاہب کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کی کوشش''

''تقریب کے عناصر و مفاہیم اور اس کے منابع'' ''اسلامی مذاہب میں تحول و تبدیلی''

تقریب اسلامی کی فضا اور میدان'' ''تقریب کے اغراض اور تقریب مذاہب اسلامی کو عملی جامہ پہنانے کا طریقۂ کار''

آیسکو کے مدیر کل (اڈیٹر) اس کتاب کے مقدمہ میں اس کے تالیف کئے جانے کا مقصد یوں تحریر کرتے ہیں: اس کتاب کا مقصد عالم اسلام میں بعض مذہبی اور فقہی مورد کو متحد کرنا نہیں ہے، اس لئے کہ ان اغراض کے حصول میں ایسی سوچ اور فکر ہے جس کو حاصل کرنا مشکل اور حقیقت سے دور ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکے مذاہب اسلامی کے درمیان اختلاف کو کم کیا جائے اور پہلے مرحلے میں اسلام کی دو اصل کتاب وسنت کے پیش نظر اسلامی اخوت و برادری کی حوصلہ افزائی کی جائے اور پھر ایسے معاشرے کی پشت پناہی کی جائے جو اسلامی اتحاد کی راہ میں قدم بڑھائیں۔

اخوت اسلامی

''**الاخوة الاسلامية** ''جس کے مولف عبداللہ ناصح علوان ہیں اس کتاب کو انتشارات ''دارالسلام للطبع والنشر دمشق'' نے دوبارہ شائع کیا ہے، مولف نے اس کتاب میں اخوت و برادری کے فضائل اور اس کی شرطوں کو خداوند تعالیٰ کی نگاہ سے بیان کیا ہے۔ مولف نے دوسرے حصے میں اسلام کی نظر میں برادری کے حقوق اور نتیجوں کی تحلیل کی ہے، ناصح علوان نے اس کے بعد والے حصے میں ایثار اور عطوفت و مہربانی کے ساتھ اسلامی معاشرے کی پائدار زندگی کے کچھ تاریخی نمونے پیش کئے ہیں۔

اسلام اور مسلمان

عبداللہ آل یوسف نے ''الاسلام والمسلمین: (**السنة ، الشيعة ، الخوارج ، الاباضية**) کے عنوان سے ۴۳۹ صفحہ پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کو انتشارات ''**دار الرسول الاكرم / المحجة البيضاء**'' (لبنان) نے شائع کیا۔

اس کتاب کو چھ (۶) باب میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں مذاہب اسلامی کے بعض موضوعات اور عقائد کی تحلیل پیش کی ہے۔

پہلے باب میں عرب سرزمین کی تاریخ، جاہل عربوں کے زندگی بسر کرنے کا طریقہ، حجاز کا علاقہ، اہل حجاز کے افکار اور قبیلہ قریش کے طرز زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔

دوسرے باب میں پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے زمانے میں جزیرۃ العرب، ہاشمی خاندان، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کو اذیت و آزار پہنچانا، طائف کا سفر اور مبعث عقبہ اور یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کے واقعہ کو ذکر کیا ہے۔

تیسرے باب میں اسلامی حکومت کے متعلق تحلیلی بحث کی گئی ہے۔

جس میں مصنف نے حکومت اسلامی کا برقرار کرنا، جنگیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری اور ان کی وفات کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ پھر آنحضرتؐ کے بعد امتوں کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیشین گوئیاں اور اس کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کی تحقیق پیش کی ہے۔

چوتھا باب اسلامی عقائد، شیعیان علی علیہ السلام کا تذکرہ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیت علیہم السلام کا مذہب، صحابہ، خوارج، اباضی مذہب، زیدیہ و اسماعلیہ مذہب، شیعہ دوازدہ امامی اور ان کے عقائد و خصوصیات سے مخصوص ہے۔

پانچواں باب شیعوں کی اچھی درک وفہم، عبداللہ ابن سبا کا افسانہ، اسلام کی مشرقی سرزمینوں پر مغلوں کے حملے کی علت، حضرت مہدیؑ کے بارے میں شیعہ دوازدہ امامی پر افترا و الزام کے بیان سے مخصوص ہے۔

آخری باب میں اہل سنت کے عقیدے، اہل رائے وحدیث کا مسلک، امام مہدی منتظرؑ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اور اہل سنت کے نزدیک تقیہ اور اہل بیتؑ کی فضیلت کا ذکر ہوا ہے۔

اس کتاب میں مصنف کی کوشش رہی ہے کہ صدر اسلام میں شیعہ امامیہ کے وجود کے بارے

میں تطبیقی بحث کریں۔

اسلام دررویاروی بابراندازی

ڈاکٹر حلمی قاعود مصری محقق نے اپنی کتاب ''**الاسلام فی موا جهة الاسئصال**'' میں موجودہ دور میں اسلام کی حالت کو بیان کیا ہے انھوں نے ان تمام کوششوں اور امور پر نقادی کی ہے جو اسلام کا مقابلہ کرنے، اصل دین کو فراموش کر کے اس کی جگہ کسی اور اسلام کو رکھنے اور اصل اسلام کی صورت کو مخدوش کر دینے کی غرض سے مختلف موضوعات کے تحت اپنے سیاسی، اقتصادی، فکری اور فرہنگی اغراض ومقاصد کو محقق کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان سعی وکوششوں کا جواب اور اس کے عوامل کو بھی پیش کیا گیا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی کی شدت میں اضافہ کا باعث ہوئے ہیں۔

انھوں نے آگے چل کر غیروں کی ذہنیت بدلنے اور ان کے تصورات کو درست کرنے کے لئے کچھ تجویزیں بھی پیش کی ہیں اس کتاب کو انتشارات ''دارالتوزیع والنشر الاسلامیۃ'' مصر نے شائع کیا ہے۔

شمالی افریقہ کے شیعہ

الشیعۃ فی شمال افریقیا، جاسم عثمان مرغی نے شمالی افریقہ، سوڈان، لیبیا، تونس، الجزائر، مغرب اور موریتانی میں شیعوں کی تاریخ کے متعلق تحقیق کی ہے، مصنف نے کتاب حاضر میں شیعوں کی ادریسیہ حکومت اور مہدیوں کی حکومت اور ان حکومتوں کے دوران پیش آنے والے واقعات کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس کے بعد فاطمیوں کی حکومت جو حکومت مہدیہ اور حکومت علویہ کے نام سے مشہور تھی اور وہ عرب کے مغربی علاقہ میں برسراقتدار رہی ہے کا جائزہ لیا ہے مصنف نے ان بزرگوں اور مشہور ادیبوں کے حالات زندگی کو بھی بیان کیا ہے جنھوں نے شیعیت کے پھیلانے میں

اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہ کتاب ۶۷۶ صفحات پر مشتمل ہے جس کو موسسہ ''البلاغ'' بیروت نے شائع کیا ہے۔

کل اور آج کے اہل سنت کے فرقے

صالح الوردانی کی کتاب '' فرق اہل السنۃ ، جماعات الماضی و جماعات الحاضر'' جو ابھی جلد ہی چھپی ہے اس میں انھوں نے اہل سنت کے فرقوں کے درمیان ہونے والے اختلافات کی تحقیق اور ان فرقوں کے درمیان پیش آنے والے حوادث میں حکام وقت کے کردار کے متعلق گفتگو کی ہے۔

ان مسائل کی تحقیق سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ ان نقوش و خطوط کو پہچنوایا جائے جو سیاست اور فرقہ گرائی کے عنوان سے مسلمانوں کے سر جعلی روایات تھوپ کر ان کو حقیقت دین سے دور رکھ کر ان کے درمیان تفرقہ اندازی کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان غلط اور فاسد عقائد رائج ہوئے۔

یہ کتاب ۲۷۱ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کو انتشارات '' دار المدی'' دمشق نے شائع کیا ہے۔

بعض اسلامی مذاہب کی تحقیق

''**مذاهب اسلامية فی الميزان ، رؤية معاصرة** ''اس کتاب کے مؤلف محمود اسماعیل ہیں اور'' دار القلم'' نے اس کو شائع کیا ہے اس کتاب میں مؤلف کی کوشش رہی ہے کہ تاریخ اسلام سے بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت کے مخالف گروہ کی سیاسی کارکردگیوں کے چند نمونے بیان کریں اس بنا پر کہ حق و شریعت سے منحرف تھے گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ مولف کی نظر میں اس دور کی مخالف پارٹیوں کی کارکردگی اسلامی تعلیم کے مطابق تھی جیسا کہ اقتصادی اور اجتماعی لحاظ

سے اس دور کی حالت کو بیان کیا جائے گا۔

اس طرح سے مصنف نے مذہبی آراء ونظریات اور سیاسی وسماجی کارکردگی کے درمیان رابطے کو بھی بیان کیا ہے اور اس حالت کے پیش نظر ان کی کارکردگیوں کی تحقیق پیش کی ہے۔

البتہ مصنف نے تمام سری ومخفی کارکردگیوں کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ خوارج، مرتجیئہ، معتزلہ، قرامطہ جیسے دیگر فرقوں کی فعالیت اور کارکردگی کی تحقیق کی ہے۔

۞ امریکہ کے برّ اعظم میں اسلام اور مسلمین

یہ کتاب امریکہ کے برّ اعظم میں اسلام اور مسلمین (ISLAM ETLES MUSULMANS DANS LE CONTINENT AMERICAIN) مقالات کا مجموعہ ہے جس کی بارہ (۱۲) فصلیں ہیں احمد مختار امبو (پیرس میں یونسکو کے رئیس کل اور مغرب میں بادشاہ اکیڈمی کے ممبر) اور علی کتانی (کورڈوبای اسپین میں ابن رشد انٹرنیشنل یونیورسٹی کے رئیس) کی نظارت میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور امریکہ میں مسلمانوں کی نظر میں اس کتاب کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور اسے نمبر ایک کے منابع میں سمجھا جاتا ہے۔

اس کتاب کی پہلی فصل کے محرر عبداللہ حکیم کویک (ٹورنٹو یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد) ہیں، دوسری فصل کو داؤود حسن (کناڈا یونیورسٹی کے استاد) نے تحریر کیا ہے جس میں محرر نے کناڈا میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق گفتگو کی ہے کناڈا کے مختلف ادیان اور اس ملک میں مسلمانوں کے داخل ہونے اور کناڈا والوں کے اس دین سے ملحق ہونے اور مسلمانوں کی اقتصادی واجتماعی موقعیت کی تحقیق کی ہے۔

تیسری فصل کو (شیکاگو میں انٹرنیشنل ڈپارٹمنٹ کے رئیس اور یونائیٹڈ اسٹیٹ کے الین یونیورسٹی میں انگلش اور دیگر بروفی زبانوں کے ادارہ کے ہیڈ) ان چند افراد نے مل کر تحریر کیا ہے۔ اس میں تفصیل سے امریکہ میں مسلمانوں کی حالت اور ان کے وہاں وارد ہونے کی کیفیت، صوفی

گری اور دیگر اسلامی پارٹیوں کے مسائل پر بحث وگفتگو کی ہے۔

چوتھی فصل امریکہ کے سیاہ پوستوں کے درمیان اسلام گرائی سے مخصوص ہے جس کو اسلام آباد پاکستان میں اسلامی ادارے کے رئیس کل ظفر اسحاق انصاری نے لکھا ہے۔

پانچویں فصل میں علی کتانی کی تحریر اور الجزائر (کارائیب) میں اسلام ومسلمین کے بارے میں تحقیق ہے۔

چھٹی فصل میں علی کتانی نے آرجنٹینا ملک میں اسلام ومسلمین اور ساتویں فصل میں برازیل کے مسلمانوں کے وارد ہونے کی تاریخ اور ان کی معاشی وسماجی حالت اور کلچر کو بیان کیا ہے۔انھوں نے بعد والی فصل میں شمالی امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کی ہے۔اس طرح سے اس کتاب میں امریکہ میں مسلمانوں میں مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کی ہیں جس کو امریکہ میں اسلام ومسلمانوں کے بارے میں دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) جانا جاتا ہے یہ کتاب ۴۶۷ صفحات پر مشتمل ہے اس کو ''مرکز الدراسات التاریخیۃ'' بیروت نے شائع کیا ہے۔

اسلام پر اہل مشرق کے الزامات اور اس کے جوابات

''**افتراء ات المستشرقین علی الاسلام و الرد علیھا**'' یہ ڈاکٹر یحییٰ مراد کی تالیف ہے جس کو ادھر ابھی جلد ہی انتشارات ''دار الکتب العلمیۃ'' بیروت نے شائع کیا ہے اور ۶۲۴ صفحات پر مشتمل ہے کتاب حاضر میں مشرق شناسی اور سامراجیت سے ان کے روابط اور یہودیت کے متعلق تحقیق ہے، صاحب قلم نے اس میں مستشرقین کے فلسفے اور ان کے بعض نمونے اور آثار کی تحقیق کی ہے، ڈاکٹر مراد نے اس کتاب کے دوسرے جزء میں ان کی ان کتابوں کے بارے میں گفتگو کی ہے جن میں اسلام اور قرآن کے چہرے کو بگاڑ کر اس کی غیر واقعی تصویر کو پیش کیا گیا ہے اور ان سب پر اعتراض بھی وارد کیا ہے۔

مصنف نے بعد کی بحث میں خاص طور سے امت اسلامی کو مغرض مستشرقین کے مقابل بیداری اور آگاہی کا ثبوت دینے کے متعلق بھی گفتگو کی ہے۔

اسلام عیسائیوں کی نگاہ میں

''الاسلام بعیون مسیحیۃ''، جس کو لطفی حداد نے انتشارات ''الدار العربیۃ للعلوم'' بیروت کی مدد سے شائع کیا ہے مصنف نے گیارہ (۱۱) باب میں اسلام کے بارے میں عیسائیوں کے عصر قدیم سے عصر حاضر تک کے پورے نظریوں کو پیش کیا ہے۔

مصنف نے پہلے باب میں اسلام اور عیسائیت کی مشترکہ تعلیمات کو شمار کیا، دوسرے اور تیسرے باب میں دوسرے مذاہب کے متعلق عیسائیت کے نظریئے کو بیان کیا ہے، چوتھے اور پانچویں باب میں عصر قدیم اور عصر حاضر میں مسلمانوں کے بارے میں عیسائیت اور گرجا گھروں (کلیسا) کے نظریئے کو بحث و گفتگو کا عنوان قرار دیا ہے، چھٹے اور ساتویں باب میں بھی اسلام کی نسبت گزشتہ عیسائی اہل فکر و نظر کے نظریوں کو پیش کیا ہے۔ آٹھویں باب میں بنیاد پرستی کے متعلق گفتگو کی ہے اور دور حاضر میں اس کی اہمیت کو بیان کیا ہے نویں باب کو صوفی گری سے مخصوص کیا۔ دسویں باب میں اسلام اور عیسائیت کے مشترک (مشکل اور پیچیدہ) الحاد جیسے مسائل، ادیان کا جھگڑا، ۱۱ ستمبر ۲۰۰۲ء کے حادثے کے بعد اہل مغرب کے اسلام کے بارے میں منفی پہلوؤں کی بھی حلاجی کی ہے۔

جدید مسلمان

''ایسکو ادارے نے ابھی حال میں ''المسلمون الجدد'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کے مولف ''امام محمد امام'' ہیں جس میں اس آیت ﴿**سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی**

انفسهم حتیٰ یتبین لهم انّه الحق ﴾کو ثابت کیا ہے کہ اس آیت میں تحدّی (مبارزہ طلبی) ہوئی ہے جس میں خداوند عالم نے دین اسلام کے حق ہونے اور پوری دنیا میں اس کے پھیل جانے کی تاکید کی ہے اور اس طرح مسلمان ہو جانے والوں کا نام بھی لیا کہ کیسے ان لوگوں نے اسلام قبول کیا اور سورۂ فصلت کی پینتیسویں (۳۵) آیت کے بارے میں شک و تردید کرنے والوں کو جواب بھی دیا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی ولادت کے سلسلے میں اسرائیلیات

''اسرائیلیات حول مولد الرسول'' کتاب کا عنوان ہے جس کو ''مؤسسہ المعارف للطباعۃ و النشر'' بیروت نے چھاپا ہے اس کے مولف کمال الحاج نے کوشش کی ہے کہ پیغمبر اعظم ﷺ کی ولادت کے سلسلے میں جو اسرائیلیات (یعنی جھوٹی اور غلط روایات) اور بعض دوسرے مسائل جیسے مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت، تبدیل قبلہ کا موضوع، آپ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں اور اسی طرح سے خاص طور سے نبی اکرمؐ کی زندگی میں سرزمین شام اور آپ کے بعد اسلامی دور کو پیش کیا ہے۔

یہ بھی کہہ دیا جائے کہ مولف نے ابتداء میں امت اسلامی کی وحدت میں دین اسلام کا نقش، دینی تعلیمات کی اہمیت، پیغمبر اسلامؐ کی ولادت، مسلمانوں کا مستقبل و آئندہ، فتنۂ اسرائیلیات کے ایجاد کے آشکار ہونے کو بیان کیا ہے۔

داخلی کتابیں (ایران میں شائع ہونے والی کتب)

دین ، مراسم مذهبی و فرهنگ ،مؤلف:شون مک لافلین ،مترجم:افسانہ نجاریان اہواز،نشر رسش،۱۰۴ص،رقعی۹۰۰۰ ریال، پہلا ایڈیشن ۵۰۰ نسخہ۔

مؤلف نے اس کتاب کے شروع میں ادیان کے رسومات اور دستورات کو بتایا ہے جس پر عمل کرنے سے ایک طرح کا رابطہ پایا جاتا ہے جس کی دوصورتیں ہیں پہلی صورت :عوام کے خاص عقائد کو خداوند عالم کے بارے میں ربطہ دینا کہ عالم ہستی میں خدا کتنی قدرت اور طاقت کا مالک ہے، دوسری صورت اس گروہ یا فرد کا ربط جوان دونوں کے درمیان اتحاد برقرار کرنے کے باعث ہیں اس کو مشروعیت عطا کرتے ہیں مذہبی امور کے سلسلے میں کچھ کلی امور ، فیصلہ کن واقعات'' غیر مذہبی رسومات''۔''دینی کلچر''۔''دین اور کلچر''مذہبی دستورات ،نمونے اور قدرت'' یہ سب کتاب کے اصل موضوعات ہیں اور کتاب کے آخر میں مشکل الفاظ کا لغت نامہ بھی درج کیا گیا ہے۔

مسیح یهودی و فرجام جهان (امریکہ میں سیاسی اور اصول گرا عیسائی) رضا ہلال،مترجم:قیس زعفرانی،تہران ہلال ۲۶۸ صفحے رقعی،۲۲۰۰۰ ریال پہلا ایڈیشن ۳۰۰۰ نسخہ۔

یہ کتاب''**المسیح الیهودی و نهایة العالم** '' کا ترجمہ ہے جو یہودی نما عیسائی اور امریکہ کے سیاست اور معاشرے کے بدلتے ہوئے حالات میں اہل غرب کامل کر بیسویں صدی کے آخر اور اکیسویں صدی کی ابتداء میں مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک پر اپنا سکہ جمانے سے مربوط ہے۔

پہلی فصل عیسائیت اور مغرب کی تاریخ میں یہودی نما عیسائیوں کی حقیقت کے بارے میں ہے اور اور مولف نے اپنی تحقیق کو قدیس بولس کے ظہور سے پروٹسٹانوں کی اصلاح طلبی کی مہم تک اور

پھر یورپ کے انقلاب سے لے کر برطانیہ کے امپریالستی کے زمانے تک جاری رکھا۔

دوسری فصل امریکہ کے یہودی صفت عیسائیوں کی زیادتی کے متعلق ہے جو بعد میں اسرائیل کی یہودی حکومت کی طرفداری کرنے لگے۔

تیسری فصل کی گفتگو یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ میں پچاس (۵۰) کے عشرہ میں مذہبی گروہ کو زندہ کیا جانا اور پھر ستر (۷۰) کے عشرہ میں اوانجیلیوں کو حکومت ملنا اس کے بعد امریکہ میں یہودی نما عیسائیوں سے رابطہ برقرار کروانے کو شامل ہے۔

کتاب کی دوسری فصلوں کا عنوان کچھ اس طرح سے ہے: ''عیسائیوں کا اقتدار اور یہودی نما عیسائی لابی'' ''حزب اللہ اور عیسائیت'' ''اصول گرائی اور تندروئی وخشونت'' صلیب کی عالمی رسالت''

ادیان شرقی در کافر کیشی رومی ،فرانس والری، ماری کومون۔مترجم: تیمور قادری تہران انتشارات امیر کبیر ۲۹۲ صفحے وزیری سائز ۱۷۵۰ ریال پہلا ایڈیشن ۲۰۰۰ نسخہ۔

صاحب کتاب نے اس کتاب میں عیسائیت کے رقیب اور مہری آئین اسی طرح اہل شرق کے رازدارانہ دستورات وآئین کی تحقیق کی ہے، ان آئین اور دستورات کو قدیم روم کے رائج اور مرسوم عقائد ونظریات میں پاکر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مغربی دنیا رومی شہنشاہیت کی رہبری وقیادت میں اپنے کو اہل مشرق کے آئین کے سامنے تسلیم کر دیتی ہے۔

صاحب کتاب اس کو بھی ثابت کرتے ہیں کہ مغرب نے دونوں مسح کے ظاہر ہونے سے قبل بھی مشرق کے دیگر ادیان کے مقابل اپنا سر تسلیم خم کر دیا تھا، مصنف کہتے ہیں ''سوری'' کے زمانے میں یورپ کے دین و مذہب میں قسم قسم کا رنگ نمایاں رہا ہوگا اگر چہ اٹلی کے ''سلتی وایبری'' جیسے

پرانے خداتختوں سے نیچے آ گئے تھے اس کے باوجود لوگوں کے درمیان ان کی حکومت باقی تھی... کافر کیشی کے نام اعتراضات عموم کو شامل ہوکر ہر مذہب میں پھیل گیا۔ یہ اس وقت ہوا جب کہ یہودیوں کی یکتا پرستی ان کے خاص لوگوں میں تھی اور دوسری طرف سے عیسائیت نے بھی اپنے گرجا گھروں اور آئین کو مضبوط بنانے کے ضمن میں ''گنوسیسم'' کے وسوسوں کے حوالے کر دیا تھا۔

سیکڑوں قسم کے واقعات سے متردد افراد اس طرف سے اس طرف ہو رہے تھے اسی طرح کے سیکڑوں قسم کی نصیحتیں لوگوں کے وجدان پر قبضہ کر رہی تھیں...

ادھر مشرق کے ادیان کی محبوبیت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی جس سے کافر کیشی لاتین کی شکل کو بگاڑنے میں مؤثر ثابت ہوئیں سب سے پہلا علاقہ برّصغیر کا علاقہ تھا جس کے خداؤں کو اٹلی نے قبول کرنے کی ہمت کی۔

آئین عاشقی (اولیاء خدا کے متعلق تحقیق) حمید رضا مظاہری سیف، تصحیح: صادق دیرباز قم کریمۂ اہل بیت علیہم السلام ۲۸۰ صفحے رقعی سائز ۱۸۰۰ ریال پہلا ایڈیشن ۳۰۰۰ نسخہ۔

کتاب حاضر کی تالیف کا مقصد تفسیر المیز ان میں (مقامات اولیاء الٰہی) کے بارے میں علامہ طباطبائی کی فکر اور کلام کو واضح اور بیان کرنا ہے۔ پہلی فصل میں مفہوم اولیاء الٰہی کی تعریف اور اس کے مفاہیم سے مربوط ہے۔ دوسری فصل میں ایمان اور اس کے مراتب کی وضاحت کی گئی ہے، تیسری فصل میں باطن عالم کے مراتب کے علاوہ عرفان میں حضرات خمس کے نظریئے کو المیز ان میں علامہ طباطبائی کی گفتگو سے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھی فصل اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں سے مربوط ہے اور پانچویں فصل ولایت الٰہی کے ثمرات وفوائد کے بارے میں ہے۔

جوامع حدیثی اهل سنت ،مجید معارف،تہران: سازمان مطالعہ وتدوین کتب علوم انسانی دانشگاہھا،۲۶۴ صفحے وزیری سائز ۱۳۰۰۰ ریال پہلا ایڈیشن ۲۰۰۰ نسخہ۔

یہ کتاب مقطع کارشناسی میں علوم حدیث کے موضوع کے طلاب کے مطالعہ کی غرض کے لئے لکھی گئی ہے اہل سنت کے متاخرین اور متقدمین کی جوامع حدیث پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی ابتدا میں پہلی ہجری میں کتب حدیث کے جمع ہونے سے قبل اہل سنت کی حدیثوں میں مہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے۔اسی طرح پہلا حصہ متقدمین (پانچویں ہجری کے آخر تک) کی اہل سنت کی حدیثوں کو پہچنوائے جانے سے مخصوص ہے۔

اس دور کے جوامع حدیث کی معرفی میں مالک ابن انس کی تالیف ''الموطا'' احمد بن حنبل کی تالیف کتاب ''المسند'' اور صحاح ستہ کی تحقیق کی گئی ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ متاخرین کے دور کی جوامع حدیث اور اس کے مہم آثار کے تعارف پر مشتمل ہے۔

العلوم فی الاسلام ۔سید حسین نصر کے دروس،مترجم: مختار جوہری، مصحح: جعفر صادق خلیلی حسن فقیہ عبداللہی تہران: معہد العلوم الانسانیۃ والدراسات الثقافیۃ،۲۸۰ صفحے رحلی سائز ۱۲۰۰۰ ریال پہلا ایڈیشن ۲۰۰۰ نسخے۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن رنگین تصویر سے مزین ہے اور جدید رائج عربی زبان کے اعتبار سے اس کی تصحیح کی گئی ہے مصنف نے علوم اسلامی کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے اسی طرح مصنف نے علوم اسلامی کے مشکلات اور آپس میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کو بھی بیان کیا ہے اور اپنی گفتگو کو عربی کے علاوہ وسیع آگاہی اور متعدد شواہد کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۱۳۸۳ھ ش میں مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی کے ذریعے شائع ہونے والی کتابیں:

- **دربارۂ وحدت و تقریب مذاهب اسلامی** ۔محمد علی تسخیری، مترجم: محمد مقدس، پہلا ایڈیشن ۱۳۸۳ھ، ۲۲۴ صفحے ۱۲۰۰۰ ریال وزیری سائز، ۲۰۰۰ نسخے۔

کتاب حاضر مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی کے جنرل سکریٹری کے مقالات کا مجموعہ ہے جس کو مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں خطاب کیا گیا ہے ان مقالات میں وحدت اسلامی کے موضوع کو عملی طور پر اور کافی حد تک وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور مختلف جہات سے بنیادی اور اساسی موضوعات کی تاکید بھی کی گئی ہے، یہ کتاب پہلے ''حول الوحدة و التقريب '' کے عنوان سے عربی زبان میں تھی جس کو اب فارسی میں ترجمہ کر کے کچھ اضافہ کے ساتھ شائقین حضرات کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

- **اقلیت های مسلمان ، مشکلات و راهکارها** ،محمد علی تسخیری، مترجم محمد مقدس، پہلا ایڈیشن ۱۳۸۳ھ، ۱۰۰۰۰ ریال وزیری سائز ۱۴۳ صفحے ۲۰۰۰ نسخے۔

مسلمانوں کی تعداد ایک تہائی ہے جنھیں اپنے ہی معاشرے میں خطرات کا سامنا ہے۔ کتاب حاضر میں مسلمانوں کی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے اس کتاب کے بعض مقالے مجمع جہانی کے جنرل سکریٹری کے تحریر کردہ ہیں جن کو اس سے قبل آپ نے مختلف پروگراموں میں پیش کئے اور ان تقریروں میں غیر اسلامی حلقے میں مسلمانوں کی صورت حال پر روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب عربی زبان میں ''الاقلیات الاسلامیۃ وعلاقاتھا بمجتمعاتھا'' کے نام سے شائع ہوئی بعد میں جس کا ترجمہ فارسی میں

بھی ہوا۔

سید جمال الدین و نهضت بیداری اسلامی (چند مقالوں کا مجموعہ)
ترتیب و تنظیم : معاونت فرہنگی ، پہلا ایڈیشن ۱۳۸۳، ۲۷۵۰۰ ریال وزیری سائز ، ۵۴۴ صفحے ، ۲۰۰۰ نسخے۔

کتاب حاضر وحدت اسلامی کی سترہویں کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر اسلامی بیداری کے عنوان سے شائع ہوئی جس میں کچھ منتخب فارسی مقالے جو سید جمال الدین کی شخصیت کے موضوع کے سلسلے میں ہونے والی کانفرنش کے ادارے میں بھیجے گئے کہ جنھوں نے اپنے دور میں اسلامی بیداری کے عنوان سے اہم کردار پیش کیا ہے۔

سید جمال الدین اسد آبادی کے سلسلے میں ہونے والی یہ کانفرنس ان کے انتقال کے سو (۱۰۰) سال پورے ہونے کے موقع پر مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی نے فرہنگ وارتباطات اسلامی کی مدد سے (۱۳۷۵ھ ش) میں منعقد کی اور خود مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی نے اپنی دوسری بین الاقوامی کانفرنس جو ''طلایہ داران وحدت'' کے نام سے منعقد کی اس میں سید جمال الدین اسد آبادی کو ''وحدت اسلامی کے سب سے پہلے لیڈر'' کے عنوان سے پیش کیا گیا اور پھر ان کی تحلیل بھی کی گئی۔

جمال الدین والمشروع الاصلاحی (چند مقالات کا مجموعہ) تنظیم: معاونت امور فرہنگی، پہلا ایڈیشن ۱۳۸۳، وزیری سائز ۲۲۴ ص ۱۲۰۰۰ ریال، ۲۰۰۰ نسخے۔

کتاب حاضر وحدت اسلامی کی سترہویں کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر (اسلامی بیداری) کے عنوان سے شائع ہوئی جس میں کچھ منتخب عربی مقالے ہیں جن کو سید جمال الدین کے سلسلے میں

ہونے والی کانفرنس کے ادارے میں ارسال کیا گیا کہ آپ کا اپنے زمانے میں اسلامی بیداری کے سلسلے میں اہم کردار اور نقش تھا۔

۞ **پیشوایان تقریب** : آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردیؒ و شیخ محمود شلتوت (مقالات کا مجموعہ) تنظیم معاونت فرہنگی پہلا ایڈیشن ۱۳۸۳ وزیری سائز ۲۳۲ صفحے ۱۲۰۰۰ ریال ۲۰۰۰ نسخے مذکورہ کتاب آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردی اور شیخ محمود شلتوت کے سلسلے میں ہونے والی کانفرنس (سال ۱۳۷۹ھ ش میں) علماء و دانشور، مراجع تقلید اور الازہر مصر کے اساتیذ اور شیوخ کے حضور میں منعقد ہوئی جب کہ حوزۂ علمیہ قم اور جامعہ الازہر مصر کی اہمیت عالم اسلام میں نمایاں ہے کہ اسلامی افکار اور مسلمانوں کی زعامت اور قیادت کا مسأ لہ یہیں سے حل ہوتا ہے ان حالات میں اہل فکر لیڈروں اور بزرگ اساتید کا کردار کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔

آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردی اور شیخ شلتوت نے مسلمانوں کے درمیان اسلام کے مشترکات کے پیش نظر نیا اصلاحی قدم اٹھا کر ان کے درمیان اپنا اثر چھوڑا۔

شیخ شلتوت کا فتویٰ کہ فقہ شیعہ پر عمل کرنا صحیح ہے اور قاہرہ میں دار التقریب بین المذاہب کے جلسے میں آیۃ اللہ بروجردی کی حمایت مسلمانوں کے دینی رہبروں کے افکار و حالات میں عظیم تحول و تبدل کی عکاسی کرتا ہے۔

۞ **الامام البروجردی و شلتوت رائدا التقریب** (مقالات کا مجموعہ) تنظیم معاونت فرہنگی، پہلا ایڈیشن ۱۴۲۵، وزیری سائز ۲۹۶ صفحے ،۱۵۰۰۰ ریال، ۲۰۰۰ نسخے۔

اس کتاب میں آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردی اور شیخ محمود شلتوت کے روز وفات کے موقع پر منعقد ہونے والے اجتماعات میں عربی مقالات کا مجموعہ شائع ہوا یہ اجتماع علماء و دانشور مراجع تقلید اور

الازہر مصر کے شیوخ اور اساتیذ کی موجودگی میں منعقد ہوا۔

القواعد الاصولية و الفقهية على مذهب الامامية ،ج ۱/۱۔۳ مولفان: شیخ محمد علی تسخیری کی نظارت میں حوزہ علمیہ قم کے چند اساتید ، وزیری سائز ج ۱/، ۴۸۷ صفحے، ج ۲/، ۵۹۶ صفحے، ج ۳/، ۷۰۴ صفحے۔ پہلا ایڈیشن ۱۴۲۵ھ ق ۱۰۵۰۰۰ ریال ۲۰۰۰ نسخے۔

پہلی جلد میں اصول فقہ کے قواعد کا بیان ہے اور بعد کی دو جلدوں میں شیعہ اثنا عشری کی مہم فقہی اصولی کتابوں کے بارے میں تحلیلی گفتگو پیش کی گئی ہے۔

یہ کتاب مجمع الفقہ الاسلامی میں پیش کرنے کے لئے جو کہ سازمان کانفرنس اسلامی کا ایک شعبہ ہے تدوین کی گئی ہے۔ مجمع جہانی نے اپنی ایک نشست میں قواعد فقہی کے موضوع پر ایک پروجیکٹ تیار کرنے کا ارادہ کیا تا کہ اس موضوع پر مختلف مذاہب کے تحت تحقیقی بحث کرے۔

اس کتاب میں ابتدائی بحث میں عام طور سے اصول و فقہ کے قواعد کو ذکر کیا گیا ہے اور حاشیہ میں ان منابع کو ذکر کیا گیا ہے جن میں ان قواعد کو بیان کیا گیا ہے۔

الامة الاسلامية و التحديات (اسلامی کانفرنس کے چوتھے دور کے مقالات کا مجموعہ) تنظیم: معاونت فرہنگی وزیری سائز پہلا ایڈیشن ۱۴۲۴ھ ۳۴۴ صفحے، ۱۸۰۰۰ ریال، ۲۰۰۰ نسخے۔

اس مجموعہ میں ان مقالات کو پیش کیا گیا ہے جو چوتھی کانفرنس میں ''چالش ہای فراروی امت اسلامی در قرن بیست و یکم'' کے عنوان سے ہونے والے اجلاس میں شائع ہوئے تھے، کانفرنس ۲۱ سے ۲۳ مرداد تک سال ۱۳۸۲ھ ش کو مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی کے تعاون سے تہران میں منعقد ہوئی۔

۞ **مع مؤتمرات مجمع الفقه الاسلامی** (المؤتمرات الفقهية)ج۱/۱-۴، محمد علی تسخیری ، وزیری سائز پہلا ایڈیشن ۱۴۲۴ھ ۱۵۰۰۰۰ ریال ، ج۱/۵۰۴ صفحے ج۲/۴۸۰ صفحے ج۳/۴۷۴ صفحے، ج۴/۳۹۳ صفحے ۲۰۰۰ نسخے۔

سازمان کانفرنس اسلامی کا ایک شعبہ مجمع فقہ اسلامی ہے جو احکام اسلام اور مسلمانوں کے عقائد کو مضبوط بنانے کی خاطر مسلمانوں کے نظری اور عملی اتحاد کو ایجاد کرنے کا زمینہ فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ چار جلدی مجموعہ اس شعبہ کی تشکیل اس کے آئین نامہ، نظام نامہ، شعبہ کے ممبران، مقالات اور اس مجمع کے ممبران کی چودہ نشستوں کے بیانات کی گزارشات پر مشتمل ہے۔

۞ **اسلامی بیداری در کلام رهبر معظم انقلاب اسلامی** ، تنظیم، معاونت فرہنگی پہلا ایڈیشن ۱۳۸۳ھ، رنگی ۲۴ صفحے ۱۰۰۰ نسخے۔

مجموعہ حاضر میں مقام معظم رہبری حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای حفظہ اللہ نے حج سے متعلق کانفرنس میں اسلامی بیداری کو پھیلانے اور اسلام کے سیاسی نظریئے کو عملی جامہ پہنانے اسی طرح روز بروز عدالت خواہی میں اضافہ ہونے کے عنوان سے پیغام دیا یہ اسی کا مجموعہ ہے۔ یہ پیغام وحدت اسلامی کی سترہویں کانفرنس جو ''مستقبل میں اسلامی بیداری اور اس کی رہنمائی کرنا'' کے عنوان سے منعقد ہوئی تھی عربی فارسی مجموعہ اور انگلش میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

بیرونی مجلّات (میگزین)

۞ **قضایا اسلامیه معاصرة**:

اس مجلّے کا ستائیسواں شمارہ شائع ہو چکا ہے، یہ مجلّہ ''مرکز دراسات فلسفہ'' الدین'' بغداد کی

جانب سے شائع ہوتا ہے اس کا آخری شمارہ ''تسامح ومنابع عدم تسامح'' کے موضوع سے مخصوص ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ ابراہیم اس مقالہ کے شروع میں اس شمارہ کا عنوان یہ دیتے ہیں: اسلامی معاشرہ کا اس مطلب میں حیران و پریشان ہونا کہ تسامح کوئی لطف وعطا نہیں ہے اور مسأ لہ تسامح کے متعلق گفتگو پیش کی ہے۔

یہ گفتگو تین شخصیتوں کے انٹرویو کو شامل ہے۔

پہلا انٹرویو علامہ محمد حسین فضل اللہ سے ہوا جس میں تسامح ومنابع عدم تسامح کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔ دوسرا انٹرویو ڈاکٹر سید حسین نصر اللہ سے ہوا جس میں تسامح کے مسأ لہ کو اسلام کی نظر میں، نظریات کے اختلاف اور علماء کے نظریات کے متعلق گفتگو ہوئی ہے اور تیسرا انٹرویو ڈاکٹر عبد الکریم سروش سے ہوا جس میں ''دیالتیک دین، تسامح اور مدنیت'' کے موضوع کی تحقیق ہوئی ہے۔

اس کے بعد کے حصے میں ڈاکٹر ابو یعرب المعرزوقی، ڈاکٹر السید ولداباہ، ڈاکٹر احمیدہ النیفر، ڈاکٹر ہشام داؤد، ڈاکٹر ابوبکر باقادر کی موجودگی میں ''تسامح ومنابع عدم تسامح'' کے موضوع پر ایک نشست منعقد ہوئی جس میں اس موضوع کی تحقیق کی گئی۔

ان مجموعوں میں پہلا مقالہ مصطفیٰ ملکیان کا تھا جو ''مبانی نظری تسامح'' کے نام سے ہے اس کے بعد ''مسلمان در جہان ستیزہ جو'' کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالحمید الشرفی کا مقالہ تھا، اور تیسرا مقالہ ''خشونت دینی مقابل دیگران'' کے موضوع پر ڈاکٹر رضوان السید کا مقالہ ہے۔

اس شمارہ کے دیگر مقالے جرمنی کے آنجہانی مشرق شناس محترمہ آنہ ماری شمیل کا مقالہ ''تصوف، پلی میان ادیان وتمدن ہا'' کے عنوان سے ہے، غالب حسن الشابندر کا مقالہ ''درطریق تسامح'' کے عنوان سے ہے اور ''دیگران، ہویت ودلسوزی نسبت بہ یکدیگر'' کے عنوان سے ڈاکٹر احمیدہ النیفر کا مقالہ ہے۔

الحیاۃ الطیبۃ

الحیاۃ الطیبۃ کا پندرہواں شمارہ تربیت عربی اسلامی: ''پارادوکس و چالشہای پیش رو'' کے موضوع سے مخصوص ہے اوراس شمارہ کے دوسرے مقالات یہ ہیں: تعلیم وتربیت کا مفہوم ڈاکٹر محمد نقیب العطاس، تربیت عمل ہدایتگرانہ یا تلاشی منع کنندہ؟ تربیت اور طبیعت کے درمیان تلازم کی تحقیق ''نگاہ تربیتی کا بدلنا مہم ہے یا رفتار اور روش کا بدلنا؟'' استاد یوسف علی، ''نوگرائی در آموزش دینی حوزہ'': شیخ عبدالجبار الرفاعی، ''نوگرائی تفکر دینی مقدمہ ای برای اصلاح آموزش دینی'': انور ابوطٰہ ''اندیشہ تربیتی شہید مطہری ڈاکٹر طلال عتریسی و... اسی طرح تین انٹرویو تربیت اسلامی کے موضوع کے ماہرین سے لئے گئے ہیں۔

اس شمارے میں تربیت اور روان شناسی تربیتی کے موضوع سے متعلق چند کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اسی شمارے میں کچھ دوسرے مقالے بھی ہیں جو اس طرح سے ہیں:

''فہم مقاصدی در اندیشہ دینی''، یحیٰی محمد ''تفسیر علمی در قرآن''، شیخ محمد علی رضائی، ''تاویل در اندیشہ اسلامی'' ڈاکٹر عبدالقادر فیدوح، بررسی تطبیقی اندیشہ دینی و اندیشہ ڈیموکریسی در چشم انداز مفہوم جمہوریت۔

الاسلام الیوم

الاسلام الیوم کہ جس کو تربیت وعلوم وفرہنگی اسلامی (آیسکو) عربی، انگلش، فرینچ، زبانوں میں شائع کرتا ہے اس کے نئے شمارہ میں یہ مقالے درج ہیں: ''جہان اسلام و جہانی شدن'' ڈاکٹر عبد العزیز ابن عثمان التویجری، ''مسلمان، چالش ہای امروز و پرسشہای آئندہ'' ڈاکٹر محمد الکتانی ''تسامح اسلام'' ڈاکٹر محمد عمارہ، ''روح نوگرائی وحق نوآوری'' ڈکٹر طٰہٰ عبدالرحمٰن، ''توسعہ در میراث تمدن اسلامی''

ڈاکٹر خالد محمد عزب، ''فرہنگ اسلامی از خلال تعلیم وامنیت مورد نظر فردو جامعہ'' ڈاکٹر ضیاء الدین محمد مطاوع۔

الکلمة

الکلمہ میگزین کا بیالیسواں شمارہ اسلامی افکار اور روزمرہ کے مسائل پیش کرتا ہے ابھی جلد ہی شائع ہوا ہے اس میگزین کے ایڈیٹر اس شمارہ کے سرورق پر ''دینی اصلاح کے مفہوم'' کے عنوان کے تحت اصلاح دینی کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

اس کے بعد ان عناوین کا ذکر ہے: ''تمدن وفرہنگ قرائتی درنظریۂ علی بگویچ'' تالیف زکی میلاد، ''موضوع تمدن وفرہنگ دراندیشۂ مالک بن نبی'' اس شمارہ میں بھی اسلام کے عالمی اور جہانی ہونے سے متعلق جو دو تحقیق ہیں وہ یہ ہیں: جہانی شدن و اسلام، مولف سیف الدین عبد الفتاح ''جوانان وفرہنگ سیاسی جہانی شدن'' صاحب قلم: عبدالالہ التاروتی۔

اس مجلّہ میں بھی دمشق یونیورسٹی میں ''تجدید گفتمان دینی'' کے متعلق ہونے والے سیمینار کی پوری گزارش موجود ہے اور اس میں دوسرے مقالات کے علاوہ کئی کتابوں کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کسی امت نے بھی اپنے پیغمبر کے
اٹھ جانے کے بعد اختلاف نہیں کیا
مگر یہ کہ اس کے نتیجے میں باطل گروہ
اہل حق کے اوپر غالب آ گیا۔

(کنز العمال، حدیث/۹۲۹)

خلاصہ مضامین انگریزی میں

Peace and forgiving religion

By Seyed Mostafa Mir Mohammady*

Synopsis:

After September 11 th all the Western mass media increased their anti-Islamic propagandas saying Islam is a warmonger and aggressive religion.

Based on Quarn and the Holy Prophet s behavior and sayings the present article first represents a true image of peace seeking and forgiving Islam and then analyses the motives and reasons why the opponents of Islam present a distorted picture of Muslims and Islam.

Keywords:

war and peace, international law, Islamic international law

---

*- Faculty member of Mufid University.

Shiite and Sunni scholars. The books are a sign of Muslim sattention to the issue.

Keywords:

monotheism, polytheism, Abrahamic religions, Imamiya, Motazele, Ashaere, Matridiya .

Monotheism and Islamic religions

Written by Ez aI-Din Reza Najad*

The Muslims have a common ideology about beliefs, jurisprudence and morality. Some individuals try to exaggerate the Controversial issues and consequently, misrepresent the path to getting united. The present article tries to elaborate one of the Muslims common grounds. Monotheism is one thing, all religions base their fundamental on, and Muslims, like other God believers, are much too faithful to be polytheist.

This article discusses the viewpoints of Motazele, Ashaere, Matridiya, Salfiya and Imamiya followers abut monotheism.

The final chapter of the book is the bibliography of 20 illustrious books with the subject of monotheism, written by the

---

** Researcher and professor teaching at University and Hawzeh,faculty member of The International Center of Islamic Studies.*

era, and then begins exploiting the resorts of Islamic World indirectly.

But a short while after the end of World War II, ideas promoting the global prophecy of Islamic began to blissom, st::-ategies in dealing with the world Muslims.

Finally it was th all-encompassing phenomenon of Islamic uprising that took the West aback, and forced it to employ its entire means and strategist at service of confrontation with the Islamic uprising on the one hand, and to analyzing it on the other.

The Muslims' retreat was cliked with Abdo's mild response to Lord Chrome's viewpoints. Laical supporters of Sheikh Abd8, that were a small part of this large group of proponents, welcomed those remarks and approached Lord Chrome's viewpoints to a farther extent. There have also been people throughout the Islamic W orId who have yielded to those thoughts and promoted them.

Side by side with that antagonistic and biased Western approach towards the global Islamic movement, there has also been another Western Orientalist approach called 'The Neo-Thrid Worldrs'.

The initiator of that approach is Ms. Shirin Hunter, who has elaborated her idea in the book Future Perspective of Islam and the West. She believes based on Islamic values the inhumane attributes of the Western culture, such ad ignoring all ethical norms of sexual conduct, looting the wealth and manpower of the other nations, and the like, are condemned and unacceptable based on Islamic teachings.

She says that the West has always been after exploiting the resorts of the Islamic world through various approaches, after resorting to the intimidation of the Islamic nations. The West gives unreal independence to certain Islamic countries during a historic

West and Islamic Uprising

In this research work the author initially refers to the expansion of the tritory at the advent of Islam despite the will of the Persian and Roman empires, and then surveys the conquering of Andolos by Islamic commanders that led to Islam's eight - century rule in Europe.

The article refers to some of the agrssions of the West against the Islamic W orId, that have led to strong reactions such as the Algerian Revolusion, Seyyed jamaleddin, Mohammad Abdo, and Kawakebi's reforms movements, the Senousies Movement in Libya, and the Muslims' Revolution of india. side with those movements and revolutions that were of different natures and resorted to various approaches, the West, too, Pursued with its anti-political-Islam movement till it bore fruit in great disaster of 1924, or the collapse of the Ottoman Empire.

ABSTRACT

IN THE NAME OF GOD